37

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

29 ستمبر 2004ء — 13 شعبان المعظم 1425ھ

www.tanzeem.org

اس شمارے میں

وزیرستان میں خون ریزی کا واحد حل

عظمتِ ربّ اور ابطالِ شرک

اتفاق واتحاد: حقیقی قومی ضرورت

شادی بیاہ کی مروّجہ رسومات

بڑھ گئے انسان، گھٹ گئے سائے

سچا مسلمان بمقابلہ روشن خیال مسلمان

مکہ مکرمہ کا متبرک پانی

تنظیم اسلامی کی
دعوتی وتربیتی سرگرمیاں

ہمارے دین میں تقویٰ کا مقام

لفظ ''تقویٰ'' ہمارے دین کی اہم ترین اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح ہے۔ اصطلاحات کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ کسی زبان کی اصطلاح کا ترجمہ ومفہوم کسی دوسری زبان میں ایک لفظ میں ادا کرنا ممکن نہیں۔ قرآن مجید کے اردو تراجم میں تقویٰ کا ترجمہ عام طور پر ''پرہیزگاری، ڈرنا اور بچنا'' کیا جاتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کسی لفظ سے بھی ان معانی ومفاہیم کے بیان کا حق ادا نہیں ہوتا، جو تقویٰ کی دینی اصطلاح میں شامل ہیں۔ اس لفظ کی شرح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بڑی وضاحت وصراحت اور بہت ہی قابل فہم انداز میں فرمائی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کی ایک مجلس میں امیر المؤمنین فاروقِ اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لفظ ''تقویٰ'' کا مطلب دریافت فرمایا۔ اس کے جواب میں حضرت ابی بن کعبؓ نے یہ تشریح بیان کی:

> ''یا امیر المؤمنین! جب کسی شخص کو جنگل کی ایسی پگڈنڈی سے گزرنے کا اتفاق ہو جس کے دونوں اطراف میں خاردار جھاڑیاں ہوں تو ایسی پگڈنڈی پر گزرتے وقت وہ شخص لامحالہ اپنے کپڑوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر اس راستے کو یوں طے کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کے کپڑے جھاڑیوں اور ان کے کانٹوں سے الجھنے نہ پائیں۔ اسی احتیاطی رویئے کو عربی میں ''تقویٰ'' کہتے ہیں۔
>
> (او کما قال)

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس تشریح ومفہوم کی تصویب وتوثیق فرمائی اور حضرت ابی بن کعبؓ کو داد بھی دی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری دنیوی زندگی کی پگڈنڈی پر ہمارے دائیں اور بائیں یعنی دونوں اطراف میں شہوات، لذات اور معاصی کی خاردار جھاڑیاں موجود ہیں۔ اثم وعدوان کی ترغیبات وتحریصات کا کوئی شمار نہیں۔ ایک بندۂ مومن اللہ تعالیٰ کے غضب اور سزا کے خوف اور اس کے انعام، نگاہِ کرم، نظر ترحم اور جزا کے شوق سے نافرمانی کے ہر عمل سے بچتا ہوا اور دین کے تقاضوں اور مطالبوں کو ادا کرتا ہوا جب زندگی گزارتا ہے تو اس رویئے اور طرزِ عمل کا نام ''تقویٰ'' ہے اور اسی کو اختیار کرنے کی قرآن مجید میں دعوت وتاکید کی گئی ہے۔ اور خطبۂ نکاح کے موقع پر جو آیات پڑھی جاتی ہیں ان میں اسی تقویٰ کو اختیار کرنے کی ہدایت وحکم کو مرکزی مقام حاصل ہے۔

ماخذ: ایک اصلاحی تحریک

تحریر: ڈاکٹر اسرار احمد

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ آل عمران (آیات 97 تا 101)

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿فِیْهِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۷﴾
قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۖۗ وَاللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا
وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ یَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ كٰفِرِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَیْفَ
تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَیْكُمْ اٰیٰتُ اللّٰهِ وَفِیْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾﴾

''اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں جن میں سے ایک ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔ جو شخص اس (مبارک) گھر میں داخل ہوا اس نے امن پالیا۔ اور لوگوں پر اللہ کا حق (یعنی اُن کا فرض) ہے کہ جو اُس گھر تک جانے کا مقدور رکھے وہ اس کا حج کرے' اور جو اس حکم کی تعمیل نہ کرے گا تو اللہ بھی اہلِ عالم سے بے نیاز ہے۔ کہو کہ اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں سے کیوں کفر کرتے ہو؟ اور اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔ کہو کہ اے اہلِ کتاب! تم مؤمنوں کو اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو؟ اور باوجود یکہ تم اس سے واقف ہو' اس میں کجی نکالتے ہو' اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔ مؤمنو! اگر تم اہلِ کتاب کے کسی فریق کا کہا مان لوگے تو وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر بنا دیں گے۔ اور تم کیونکر کفر کرو گے جب کہ تمہیں اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور تم میں اس کا پیغمبر موجود ہے۔ اور جس نے اللہ (کی ہدایت کی رسی) کو مضبوط پکڑ لیا اُسے سیدھے راستے کی ہدایت مل گئی۔''

ذکر ہو رہا تھا بیت اللہ کا۔ تو اس میں بڑی روشن نشانیاں موجود ہیں (مثال کے طور پر آبِ زم زم کہ صرف کثیر کے باوجود اس میں کمی واقع نہیں ہوتی) پھر مقام ابراہیم علیہ السلام ہے۔ اور جو بھی اس میں داخل ہو جاتا ہے' امن میں آ جاتا ہے۔ پورے عرب میں بدترین خونریزی ہوتی تھی' لیکن حرم میں امن کا یہ حال تھا کہ اگر وہاں کوئی باپ کے قاتل کو دیکھ لیتا تھا تو بھی اس پر ہاتھ نہیں اٹھاتا تھا۔ یہ روایت آج تک قائم ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے وہاں امن ہی امن ہے' گویا وہ دارالامن ہے۔ اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر کہ وہ اس کے گھر کا حج کریں اگر وہ سفر کی استطاعت رکھتے ہوں۔ ''وَمَنْ کَفَرَ'' تو یہاں کفر کا معنی کیا ہوگا' یہی نا کہ جو استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتا اُس نے گویا کہ کفر کیا۔ اور اس کی تائید حدیث سے ہوتی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو استطاعت کے باوجود حج نہ کرے تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔ اللہ تو ایسا ہے کہ اسے کسی کی عبادت کی کوئی حاجت نہیں' وہ تو تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

اب اہل کتاب کو بڑے جھنجوڑنے والے انداز میں خطاب ہے کہ اللہ کی آیات کا انکار کیوں کرتے ہو جبکہ تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔ اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب کیوں روکتے ہو ایمان لانے سے (یا کیوں روکتے ہو دوسروں کو اللہ کے راستے سے)۔ جو ایمان لے آتا ہے تم اس کے لئے ٹیڑھ تلاش کرتے ہو' سازشیں کرتے ہو۔ کہتے ہو صبح ایمان لے آؤ' شام کو کافر ہو جاؤ تا کہ جو ایمان لائے ہیں ان کے دلوں میں وسوسے اور دغدغے پیدا ہو جائیں۔ تم چاہتے ہو کہ وہ بھی کجروی اختیار کر لیں اور اپنے کرتوتوں سے تم خود خوب آگاہ ہو اور اللہ تعالیٰ غافل اور بے خبر نہیں اُس سب کچھ سے جو تم کر رہے ہو۔

لیکن ان تمام سازشوں کے جواب میں اہلِ ایمان سے کہا گیا کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو (ہوشیار ہو جاؤ) اگر ان اہل کتاب کے کسی گروہ کی پیروی کرو گے تو یہ لازماً تمہیں تمہارے ایمان لانے کے باوجود کفر کی حالت میں لوٹا کر لے جائیں گے۔ اور غور تو کرو تم کفر کیسے کرو گے اور اُس راستے پر کیسے چلو گے جبکہ تمہیں اللہ کی آیات پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں اور تمہارے درمیان اُس کا رسول بنفس نفیس موجود ہے۔ یہودیوں میں لوگ عالم تھے' اوس اور خزرج کے لوگ اَن پڑھ تھے۔ اُن کے پاس نہ کوئی کتاب تھی' نہ شریعت اور قانون۔ لہٰذا یہ یہودیوں کے علماء سے مرعوب تھے۔ جب اوس وخزرج کے لوگ ایمان لائے تو اندیشہ تھا کہ وہ یہودیوں کے علماء کی ریشہ دوانیوں کا شکار نہ ہو جائیں۔ چنانچہ انہیں خبردار کیا گیا کہ تم کیسے کفر اختیار کر لو گے جبکہ تمہیں اللہ کی آیات پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں اور خود رسول اللہ ﷺ تمہارے پاس موجود ہیں۔

اور جو شخص اللہ کے دامن میں پناہ لے لے تو اُس نے سیدھا راستہ پالیا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی خطرے کی صورت میں چھوٹا بچہ اپنی ماں کی گود میں گھس جاتا ہے اور اپنے آپ کو اس طرح محفوظ سمجھ لیتا ہے گویا اُس نے کسی قلعے میں پناہ لے لی ہے اور اب اُسے کسی طرح کا خطرہ نہیں رہا۔ اسی طرح کا معاملہ اُس شخص کا بھی ہے جو اللہ سے چمٹ جائے یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ نمائی میں صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جائے۔ گویا وہ اب ہر قسم کی گمراہی سے محفوظ ہو گیا۔

فرمانِ نبویؐ

چوہدری رحمت اللہ بٹر

تواضع اور انکساری

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ)) (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: ''صدقہ و خیرات کسی کا مال نہیں گھٹاتا ہے' اور جب بندہ کسی کی خطا معاف کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت و مرتبت بڑھاتا ہے' اور تواضع کرنے سے اللہ تعالیٰ اس کے درجات میں اضافہ کرتا چلا جاتا ہے''۔

اداریہ

وزیرستان میں خوں ریزی کا واحد حل

شروع شروع میں سیاسی تجزیہ نگاروں کا عام تاثر یہ تھا کہ جنوبی وزیرستان میں غیر ملکی پناہ گیروں کے خلاف جو فوجی کارروائی کی گئی ہے' وہ دو چار روز میں ختم ہو جائے گی' لیکن زمینی حقائق سے ثابت ہوا کہ گزشتہ ڈیڑھ سال سے جاری جنگ ابھی اور طول پکڑے گی اور جنگ سے پھر بھی کوئی مثبت نتیجہ نہیں نکلے گا۔ سیاسی مذاکرات سے صلح کے سوا قبائلی علاقوں میں کوئی حل آج تک نکلا ہے نہ نکلے گا۔ برٹش ایمپائر جیسی طاقت نے برس ہا برس خونین جنگ کے بعد افغانیوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تھے اور بالآخر مذاکرات ہی سے امن و امان پیدا کیا گیا تھا۔ ہمارے حکومتی ترجمانوں کی طرف سے کئے جانے والے دعاوی خواہ حقائق کے کتنے ہی قریب کیوں نہ ہوں' انہوں نے ملک بھر کے سیاسی و مذہبی حلقوں ہی میں نہیں' عوام کے قلب و ذہن میں بھی شکوک' وسوسے اور خدشات کے ایسے بیج بو دیئے ہیں کہ اگر ان کا بروقت ازالہ نہ کیا گیا تو یہ ایک ایسی فصل کی صورت میں نمودار ہو سکتے ہیں جس کا پھل قومی وحدت و سلامتی سے کسی طرح ہم آہنگ نہ ہوگا۔

یہ خدشات و شکوک آزاد قبائل کے علاقوں میں فوجی آپریشن کے آغاز ہی میں پیدا ہونے شروع ہو گئے تھے' لیکن چونکہ ان کا فوری سدِ باب کرنے کے لئے ٹھوس عملی اقدامات کرنے کی بجائے محض زبانی جمع خرچ سے زیادہ کام لیا گیا ہے' اس لئے عوام الناس میں یہ تاثر پیدا ہوا ہے کہ سیاسی بات چیت اور مذاکرات کے ذریعے اختلافی معاملات طے کرنے کے لئے جرگوں کو مناسب وقت نہیں دیا گیا اور عقابی انداز میں سوچنے والے مفاہمت و مصالحت پر یقین رکھنے والوں پر غالب آ گئے ہیں۔ حالیہ فوجی کارروائی نے صورت حال کو مزید ابتر کر دیا ہے۔

وزیرستان کے صدیوں سے آباد گھروں' محلوں اور بازاروں کو مسمار کرنے اور صرف ایک روز کی بمباری میں خونخیلہ میں **80** نفوس کے قریب جو ہلاکتیں ہوئی ہیں' اور پہلی بار اس قصبے میں الگ تھلگ رکھنے والے پُر امن محسود قبائل میں جو خوفناک کارروائی ہوئی ہے' وہ ان پُر اثر اور پُر زور قبائل میں بھی غم و غصہ پیدا کرنے کا موجب ہوئی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ افغانستان میں اشتراکی روس کے خلاف تحریک مزاحمت کے دوران خود امریکا نے دنیا بھر کے مسلمان نوجوانوں کو اکٹھا کر کے انہیں نہ صرف مالی و اسلحی امداد دی' بلکہ انہیں چھاپہ مار جنگ کی تربیت دے کر سوویت یونین کے خلاف صف آرا کر دیا۔ اس دوران میں بیس لاکھ سے بھی زیادہ افغان مہاجرین پاکستان میں آ بسے اور مسلم ممالک سے تعلق رکھنے والے مجاہدین نے قبائلی علاقوں میں پناہ لے لی' جن کو اُس وقت پاکستان' سعودی عرب' متحدہ عرب امارات' امریکا' برطانیہ اور دوسرے مغربی ملکوں کی بھرپور امداد بھی حاصل تھی' اور پھر وہ رفتہ رفتہ یہیں مستقل طور پر سکونت پذیر ہو گئے اور پاکستان ہی کو اپنا وطن بنا لیا۔ جب روسی فوجیں جینوا میں ہونے والے معاہدے کے تحت افغانستان کے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ کئے بغیر وہاں سے رخصت ہوئیں تو امریکا نے جان بوجھ کر افغانستان کو بحران کے دھارے میں بہنے کے لئے چھوڑ دیا تھا کہ وہاں کے وار لارڈ اور متحارب گروپ آپس میں برسرِ پیکار رہیں۔ نئے حالات میں افغانستان میں چند سال کے مختصر عرصے میں یکے بعد دیگرے کئی حکومتیں برسراقتدار آئیں' جن کی خانہ جنگی کو ختم کر کے ''طالبان'' اقتدار میں آئے۔ طالبان کی مذہبی پختگی' اصول پسندی اور استقامت نے اہلِ مغرب کو حیران پریشان کر دیا۔ انہوں نے افغانستان میں ہونے والے بعض واقعات کی باقاعدہ فلمیں بنا کر اُن کے خلاف معاندانہ مہم شروع کر دی' جس سے اب ثابت ہو گیا ہے کہ یہ سب کچھ ایک سوچا سمجھا منصوبہ تھا۔ ان حالات میں نائن الیون کا واقعہ ظہور پذیر ہوا تو امریکا نے افغانستان کو دہشت گردی کا منبع قرار دے کر اس پر چڑھ دوڑنے کا پروگرام بنا لیا اور حکومتِ پاکستان کو بھی اپنی طالبان نواز پالیسی کو ترک کر کے امریکا کا غیر مشروط ساتھ دینا پڑا۔

کمانڈر نیک محمد شہید سمیت بہت سے دوسرے مہم جو بھی حکومت پاکستان سے مذاکرات کے ذریعے اختلافات طے کرنے کے خواہشمند تھے۔ لیکن وہ عسکری قوتیں جو صورتِ حال کو ناقابل واپسی نقطے تک لے جانے کی خواہش مند تھیں' انہوں نے پولیٹکل انتظامیہ اور قبائلی جرگوں سب کو بے بس کر کے رکھ دیا۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ غیر ملکی پناہ گزینوں کو اپنی باقاعدہ رجسٹریشن کرانے کے لئے مقامی جرگوں اور علماء کے ذریعے ٹاسک اور وقت دیا جاتا' لیکن افسوس کہ بعض بر خود غلط حکام مذاکرات سے زیادہ طاقت و قوت کے استعمال کو زیادہ اثر انگیز خیال کرتے ہیں۔ وزیرستان میں خون ریزی کی تازہ لہر کے بعد اب یہ انتہائی ضروری ہو گیا ہے کہ مقامی جرگوں اور اثر و رسوخ رکھنے والے علماء و مشائخ کو اعتماد میں لے کر' فوری مذاکرات کے ذریعے پُر امن حل نکالا جائے اور اپنا ہر مسئلہ حل کرنے کے لئے امریکی ہدایات پر عمل کرنے کی غلامانہ روش تبدیل کی جائے۔ یہ ہمارا ہی نہیں' پوری قوم کا دیرینہ مطالبہ ہے۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ

ندائے خلافت

جلد	23 تا 29 ستمبر 2004ء	شمارہ
13	7 تا 13 شعبان 1425ھ	37

بانی: اقتدار احمد مرحوم

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

مدیر انتظامی: سید قاسم محمود

مجلس ادارت

ڈاکٹر عبد الخالق۔ مرزا ایوب بیگ
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔ گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ لاہور
فون: 6366638-6316638 فیکس: 6305110
E-Mail:markaz@tanzeem.org

مقامِ اشاعت: 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ: 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک......250 روپے
بیرون پاکستان
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)

☆☆☆

''ادارہ'' کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

عراق......جنگ غیر قانونی تھی

اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کوفی عنان نے کہا ہے (16 ستمبر) کہ امریکی قیادت میں عراق کے خلاف لڑی جانے والی جنگ غیر قانونی اور اقوام متحدہ کے چارٹر کے خلاف تھی۔ برطانیہ، آسٹریلیا اور جاپان نے سیکرٹری جنرل کے بیان کو مسترد کر دیا۔ امریکا کے وزیر خارجہ کولن پاول نے کوفی عنان کو فون کر کے اُن کے بیان پر اپنی تشویش کا اظہار کیا اور عراق جنگ کی قانونی حیثیت کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ صدام حسین عالمی استحکام کے لئے خطرہ تھا۔ یہ جنگ قانونی تھی اور بین الاقوامی قانون کی بنیاد پر لڑی جا رہی ہے۔ کولن پاول کے جواب میں اقوام متحدہ کے ترجمان نے ایک اخباری بیان میں کہا ہے کہ سیکرٹری جنرل کو یقین ہے کہ کسی بھی ملک کے خلاف انسدادی کارروائی اقوام متحدہ کے چارٹر کی روشنی میں ہونی چاہئے اور عراق کے خلاف فوجی کارروائی اقوام متحدہ کے چارٹر سے مماثلت نہیں رکھتی۔ فرانس نے سیکرٹری جنرل کے موقف کی حمایت کی ہے۔ فرانس کے وزیر خارجہ نے کہا ہے کہ ان کے بیان سے فرانس کے دیرینہ موقف کی توثیق ہوگئی ہے۔ ہم نے جنگ کے شروع میں واضح کر دیا تھا کہ اس میں بین الاقوامی اصولوں اور قوانین کا احترام نہیں کیا جا رہا ہے۔

سوڈان- تیل کی صنعت پر پابندی

اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل میں 18 ستمبر کو سوڈان کے فساد زدہ علاقے دارفور کے بارے میں امریکا نے نئی قرارداد پیش کی، جس میں کہا گیا ہے کہ دارفور میں صورتِ حال پر قابو نہ پانے کی صورت میں حکومت سوڈان کے تیل کی صنعت پر پابندی عائد کر دی جائے گی۔ قرارداد کے حق میں 9 ارکان نے ووٹ دیئے، جبکہ چین، پاکستان اور الجزائر نے مخالفت کی۔ روس اور برازیل کی طرف سے بھی امریکی قرارداد پر اعتراضات کئے گئے۔ قبل ازیں چین نے نئی قرارداد کو ویٹو کرنے کی دھمکی دی تھی جس میں فوری طور پر پابندی عائد کرنے کے لئے کہا گیا تھا، لیکن چین کی ویٹو کی دھمکی آنے پر پابندی عائد کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

ترکی-بدکاری جرم نہیں

ترکی نے عصمت فروشی اور بدکاری کو جرم قرار دینے کے اصلاحی منصوبے کو واپس لے لیا ہے (16 ستمبر) اور اس اصلاح کو اصلاحات کے بڑے منصوبے سے نکال دیا ہے۔ ایسا پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ یورپی یونین کے اعتراض کی وجہ سے ملک میں اس طرح کھلم کھلا کسی قانونی اصلاح کے اقدام کو واپس لیا گیا ہو۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ بدکاری کو قانوناً جرم قرار دینے سے متعلق اصلاح پر حقوقِ نسواں کی بعض تنظیموں اور آزاد خیال تبصرہ نگاروں نے ناراضگی کا اظہار کیا اور پارلیمان کے باہر مظاہرہ کیا۔

ایران-25نومبر تک مہلت

ایٹمی توانائی کی عالمی ایجنسی نے 18 ستمبر کو ایران کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں کسی رائے شماری کے بغیر اتفاق رائے سے ایک قرارداد منظور کی، جس میں ایران کو یورانیم کی افزودگی کا عمل فوری طور پر بند کر کے ایٹمی پروگرام سے متعلقہ تمام معاملات کو واضح کرنے اور تمام سوالوں کے جواب دینے کے لئے 25 نومبر تک مہلت دی گئی ہے۔ 25 نومبر کو ایران کے ایٹمی پروگرام کا مکمل جائزہ لیا جائے گا اور پھر ایران کی جانب سے تعاون نہ ہونے کی صورت میں معاملہ سلامتی کونسل میں لے جانے یا ایران کے خلاف پابندیاں عائد کرنے کے بارے میں فیصلہ ہوگا۔ ایٹمی توانائی کی عالمی ایجنسی کے سربراہ ڈاکٹر محمد البرادعی کی جانب سے ایٹمی پروگرام کے بارے میں تازہ اور مفصل رپورٹ 25 نومبر تک تیار ہوگی۔ فرانس، برطانیہ اور جرمنی نے امریکا کی پیش کردہ اس قرارداد کی حمایت کی۔ ایران نے اس قرارداد کو مسترد کر دیا ہے اور یہ معاملہ عالمی عدالت انصاف میں لے جانے کی دھمکی دی۔ ایران کے سابق صدر علی اکبر ہاشمی رفسنجانی نے کہا ہے کہ ایران کے ایٹمی پروگرام پر امریکا اور یورپی ممالک کا طرزِ عمل قابلِ مذمت ہے۔ حکومت اسرائیل نے ایک سرکاری بیان میں دعویٰ کیا ہے کہ ایران 6 ماہ میں ایٹم بم بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ 2005ء تک کسی بیرونی امداد کے بغیر ایٹم بم بنا سکتا ہے۔ اسے نہ روکا گیا تو خطے میں ایٹمی خطرات پیدا ہو جائیں گے۔

کشمیر- پوٹا منسوخ' نیا قانون آئے گا

بھارتی کابینہ نے کشمیر میں دہشت گردی کے خاتمے کے لئے بدنام زمانہ قانون 'پوٹا' منسوخ کر دیا ہے۔ (17 ستمبر) اور نیا قانون لانے کا فیصلہ کیا ہے۔ درحقیقت 'پوٹا' ایک ماہ بعد از خود غیر موثر ہونے والا تھا۔ یہ قانون منسوخ کرنے اور نیا قانون لانے کا یہ عذر پیش کیا گیا ہے کہ اس قانون کے تحت پولیس اپنے حاصل کردہ غیر معمولی اختیارات کا غلط استعمال کر رہی تھی۔ کشمیری رہنماؤں نے بھارتی کابینہ کے اس فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''پوٹا'' کے خاتمے کا خیر مقدم اسی صورت میں کیا جائے گا جب بھارتی فوج مقبوضہ کشمیر میں بے گناہ لوگوں کا قتلِ عام اور انسانی حقوق کی دیگر خلاف ورزیاں بند کرے گی۔

جرمنی-اسلامی کانفرنس نہیں ہو سکتی

حکومت جرمنی نے آئندہ ماہ اکتوبر میں برلن میں منعقد ہونے والی یکم تا تین اکتوبر سہ روزہ اسلامی کانفرنس کے شرکاء کو ویزا جاری کرنے سے انکار کر دیا ہے اور کہا ہے کہ کانفرنس کے انعقاد کی اجازت دے کر بالواسطہ طور پر دہشت گردی کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کانفرنس میں 800 کے قریب مندوبین شریک ہونے والے ہیں، لیکن دنیا بھر کے جرمن سفارت خانوں کو احکام جاری کر دیئے گئے ہیں کہ کسی شخص کو ویزا جاری نہ کیا جائے۔

پاکستان-آرمی چیف یا صدر!

صوبہ سرحد کی صوبائی اسمبلی نے صدر پرویز مشرف کی وردی کے حق میں، پنجاب اسمبلی کی قرارداد کو خلافِ آئین قرار دیتے ہوئے جنرل مشرف سے 31 دسمبر 2004ء تک آرمی چیف اور صدر کے عہدوں میں سے کسی ایک کو چھوڑ دینے سے متعلق قرارداد منظور کر لی ہے۔ قرارداد کے حق میں 55، جبکہ مخالفت میں 14 ووٹ پڑے۔

ملائیشیا-2008ء تک الیکشن نہیں لڑ سکتے!

ملائیشیا کے سابق نائب وزیر اعظم انور ابراہیم کی 6 برس کے بعد جیل سے رہائی نے سیاسی ماحول میں ہلچل مچا دی ہے۔ انہوں نے رہائی کے بعد حزب اختلاف میں رہنے کا اعلان کیا ہے۔ وہ زبردست خطیب اور مقرر ہونے کی وجہ سے حکومت کے خلاف اپوزیشن جماعتوں کو متحد کر کے دو جماعتی نظام قائم کر سکتے ہیں۔ لیکن ملائیشیا کی اعلیٰ ترین عدالت نے انور ابراہیم کو بدعنوانی پر دی جانے والی سزا کو برقرار رکھا ہے جس کے تحت وہ 2008ء تک الیکشن نہیں لڑ سکتے، سوائے اس کے کہ انہیں شاہی فرمان (آرڈیننس کے ذریعے) مستثنیٰ کیا جائے۔

چیچنیا : شامل بسایوف کا اعتراف

چیچنیا کے وارلارڈ شامل بسایوف نے سکول بچوں کو یرغمال بنانے کے واقعہ کی ذمہ داری قبول کر لی ہے۔ لیٹر میں کہا گیا ہے کہ یرغمالی بچوں کو چھوڑنے پر تیار تھے۔ اگر ان کا مطالبہ کہ روس چیچنیا سے فوجیں واپس بلا لے قبول کر لیا جاتا ہے۔ خط میں کہا گیا ہے کہ فائرنگ روسی فورسز کی طرف سے شروع کی گئی کہا گیا ہے کہ ہم نے پوٹن کو بھی خط لکھا جس میں ہم نے چیچنیا کی آزادی کے بدلے کارروائیاں بند کرنے کی پیشکش کی۔ انہوں نے بتایا ہے کہ اغوا کار گروپ کا القاعدہ سے کوئی تعلق نہیں تھا اور میں ذاتی طور پر اسامہ کو نہیں جانتا اگر اسامہ مجھے رقوم پیش بھی کرے تو میں انکار کر دوں گا۔

منبر و محراب

☆ ہر قسم کی گمراہی کا راستہ شرک سے جڑتا ہے جبکہ تمام تر ہدایت توحید میں مضمر ہے

☆ انسان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے عجائبات و اسرار کا احاطہ کر سکے

عظمتِ ربّ اور ابطالِ شرک

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب کے 10 ستمبر 2004ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

دو اجتماعاتِ جمعہ کی غیر حاضری کے بعد آج حاضر خدمت ہوا ہوں۔ سورۃ الکہف کی آخری دو آیات کا مطالعہ ابھی تک تشنہ تکمیل ہے۔ ان کی تلاوت تو ہوتی رہی لیکن تفصیل کا موقع نہیں آ سکا تھا۔ یہ دو آیات توحید باری تعالیٰ کا بہت ہی عظیم خزانہ ہیں۔ آج میں کسی تمہید سے گریز کرتے ہوئے براہ راست ان دو آیات کی طرف آتا ہوں۔

ان دونوں آیات کا آغاز لفظ ''قُلْ'' سے ہوا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آخری دو آیات بھی اسی لفظ سے شروع ہوتی ہیں۔ ان چاروں آیات میں ایک بڑی دلچسپ مشابہت ہے۔ دونوں مقامات پر پہلی آیت میں مثبت طور پر اللہ کی عظمت اور جلالت شان کا ذکر ہے جبکہ دوسری آیت میں شرک کی بہت زوردار انداز میں مذمت ہے۔ لہٰذا توحید کے بیان اور شرک کی مذمت کے اعتبار سے یہ بہت عظیم مقامات ہیں۔ سورۃ الکہف کی آیت 109 کا ترجمہ یہ ہوگا: ''(اے نبیؐ!) فرما دیجئے اگر میرے رب کے کلمات لکھنے کے لئے تمام سمندر سیاہی بن جائیں تو بلاشبہ سمندر خشک ہو جائیں گے اس سے پہلے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں اور خواہ ہم ان جیسے اور (سمندر) بھی لے آئیں ان کی مدد کو۔'' یہ تمام سمندر محدود اور فانی ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کے کلمات غیر محدود ہیں اور ان کا بھی احاطہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ یہی مضمون سورۂ لقمان کی ستائیسویں آیت میں بھی آیا ہے۔ وہاں اسے مزید کھول کر بیان کیا گیا: ''اور اگر زمین پر جتنے درخت ہیں وہ قلم بن جائیں اور سمندر اس کی سیاہی ہوں، پھر اس کے پیچھے مزید سات سمندر ہوں تو اللہ کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے۔'' یہ اصل میں اللہ کی عظمت، شان اور قدرت کی طرف اشارہ ہے۔

کَلِمٰتُ لِلّٰہِ کے مفہوم کے حوالے سے مختلف مفسرین نے مختلف آراء دی ہیں۔ ''روح المعانی'' کے مصنف علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ کلمات سے مراد اللہ کا علم اور اس کی حکمت ہے، جس کا احاطہ مخلوقات نہیں کر سکتیں۔

ایک رائے یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے عجائبات و اسرار ہیں۔ مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیعؒ نے اس کا حاصل یہ نکالا ہے کہ جو کلمات اللہ تعالیٰ کے اوصاف اور کمالات پر دلالت کرتے ہیں، اگر کوئی شخص انہیں بیان کرنے لگے تو تمام سمندروں کی سیاہی کم پڑ جائے گی لیکن ان کا احاطہ نہیں ہو سکے گا۔ شانِ نزول کے اعتبار سے بھی اس کا ایک خاص مفہوم بنتا ہے اور وہ یہ کہ جب مشرکین نے آنحضور ﷺ سے روح کی حقیقت کے بارے میں سوال کیا تھا تو اس کا جواب سورۂ بنی اسرائیل کی آیت 85 میں یوں دیا گیا: ''(اے نبیؐ) کہہ دیجئے روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تم کو بہت کم علم دیا گیا ہے۔'' اس پر علماء یہود نے جواب دیا کہ ہمارے پاس تورات کی صورت میں علم کثیر موجود ہے۔ چنانچہ سورۃ الکہف کی آیت 109 میں اس کا بھی جواب موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی ہدایت کے لئے وحی کے ذریعے بھی جو ضروری علم ان کو عطا کرتا ہے، اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے سمندر کے مقابلے میں ایک قطرہ! لہٰذا یہ ساری باتیں ایک ہی شے کو ظاہر کر رہی ہیں کہ جس اللہ پر ایمان لانے کی دعوت حضرت محمد ﷺ دے رہے ہیں، تم اس کی عظمت و قدرت اور جلالت و شان کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ ایک اللہ کا تصور تو مشرکین عرب اُس وقت بھی رکھتے تھے، لیکن یہ نہایت محدود اور ناقص تصور تھا۔ اللہ کے ساتھ کچھ ایسے تصورات شامل کر دینا جن سے اس کی عظمت اور جلالت میں فرق آتا ہو، شرک ہے۔ مشرکین اللہ تعالیٰ کو ایک بہت بڑے بادشاہ کی مانند سمجھتے تھے اور بادشاہ چاہے کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، اس کی ذاتی قدرت محدود ہوتی ہے۔ اس کی طاقت کا سرچشمہ فوج اور منصب دار ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ تصور کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہت بھی اسی طرز پر قائم ہے اور اس میں بھی بغاوت کا امکان رہتا ہوگا، کچھ حلقوں کی رائے کو بادشاہ رد نہیں کر سکتا، کچھ لوگ بادشاہ کی کمزوریوں سے فائدہ بھی اٹھا لیتے ہوں گے۔ لہٰذا ان کا کہنا یہ تھا کہ جن کو ہم بت بنا کر پوجتے ہیں، یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہوں گے۔

آج ہماری سرکاری سطح پر اور عوام کی ایک بڑی تعداد کی سوچ یہ ہو گئی ہے کہ شاید آسمانوں میں اللہ کی بادشاہی قائم ہو، زمین پر وہ بے بس ہے۔ انسان نے سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی سے وہ مقام حاصل کر لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عاجز ہو گیا۔ زمین پر کُل اختیار کا مالک امریکہ ہے، اللہ تعالیٰ نہیں۔ یہ ہمارا سرکاری موقف ہے، جس کی میں ترجمانی کر رہا ہوں۔ کہا جا رہا ہے کہ جیسے انسان اپنے تیار کردہ روبوٹ سے خود عاجز آ جاتا ہے اور اس مصیبت سے جان چھڑانے کے لئے بچتا پھرتا ہے، اسی طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم تو دے دیا لیکن اب انسان اس علم کی بدولت اس مقام تک پہنچ گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اس کے سامنے بے بس اور لاچار ہے۔ چنانچہ اس نقطۂ نظر کا پہلا حاصل یہ نکلے گا کہ ہمیں امریکہ کے سامنے جھکنا ہے۔ علامتی طور پر تو اللہ کی عبادت کی جائے گی لیکن عملی طور پر امریکہ کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم ہوگا۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے رازق ہونے کی صفت پر ہمارا اعتماد نہیں رہا۔ ہمارا طرزِ عمل یہ ظاہر کرتا ہے کہ شاید پچھلے زمانے میں اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو رزق مہیا کرتا رہا ہے جبکہ آج تو رزق کے خزانے کسی اور کے ہاتھ میں ہیں۔ اب آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک ہمارے معاشی خدا ہیں۔ اگر وہ ہماری مدد نہ کریں تو ہم کسی قابل نہیں رہیں گے۔ تیسرے، ہم اللہ کے علم کو بھی ناقص اور محدود سمجھتے ہیں، کیونکہ اس نے سود کو قیامت تک کے لئے حرام کر دیا اور اسے معلوم نہیں تھا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ جب سود ایک ناگزیر مجبوری بن جائے گی۔ اب اس زمینی حقیقت کی روشنی میں ہم اپنا راستہ خود طے کریں گے۔ اس میں مشرکانہ گمراہی کا یہ عنصر بھی شامل کر لیجئے کہ عوام کی اکثریت کے نزدیک آخرت میں اللہ تعالیٰ مختار مطلق نہیں ہوگا بلکہ وہاں کچھ ایسی ہستیاں ہوں گی جو اپنے

وابستگان کو اس طرح جنت میں پہنچا دیں گی کہ اللہ کو پتا بھی نہیں چلے گا!

قرآن اس کے بالکل برعکس کچھ اور تصور دیتا ہے' اور وہ یہ کہ کُل کائنات کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ آسمانوں اور زمین کو تخلیق کرنے کے بعد اس کے ہاتھ بندھ نہیں گئے ہیں بلکہ وہ عرش پر متمکن ہے اور تمام معاملات کی تدبیر وہی فرماتا ہے۔ عالم خلق ہو یا عالم امر' سب اسی کے اختیار میں ہیں۔ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ فرشتوں کے بارے میں ہمارا ایمان ہے کہ یہ کارکنانِ قضائے قدر ہیں۔ پورے طور پر اللہ کے احکامات کے پابند ہیں' اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اس پوری کائنات کی نگرانی اللہ تعالیٰ کر رہا ہے۔ اس کی حفاظت اور مخلوق کی ضروریات کی فراہمی سے وہ کبھی تھکتا نہیں ہے۔ ان کا رازق بھی وہی ہے۔ انسان کو پیدا کر کے وہ لاچار نہیں ہو گیا بلکہ اپنے بندوں پر پوری طرح قابو یافتہ ہے۔ یہ ہے اللہ کا تصور جو قرآن اور آنحضورﷺ نے دیا ہے۔ یہی اصل میں سورۃ الکہف کی آیت 109 کا حاصل ہے۔ ہمیں سوچنا چاہئے کہ ہم کس اللہ کو مان رہے ہیں!

اب آخری آیت پر آیئے۔ اس میں سب سے پہلے شرک کی مذمت کی گئی ہے کہ: ''(اے نبیؐ!) فرما دیجئے کہ میں بھی تم جیسا ایک انسان ہوں۔'' یہاں اُس شرک کی نفی ہو رہی ہے جو اس سے پہلے نبی اور رسولوں کے ساتھ وابستہ رہا ہے اور جس کی بدترین شکل ابنیت مسیحؑ کا عقیدہ ہے۔ شرک کی یہ بدترین شکل شرک فی الذات ہے۔ اپنے نبی اور رسول کے لئے احترام' محبت اور عقیدت کے جذبات میں غلو سے کام لے کر انہیں بشریت کے بجائے الوہیت کی صف میں شامل نہ کرو۔ آج سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کا دجالیت کی شکل اختیار کرنا درحقیقت ابنیت مسیحؑ کے عقیدے ہی کا شاخسانہ ہے۔ جو محبت عیسائیوں کو اپنے رسول حضرت عیسیٰؑ سے ہو گی' اس سے ہزار گنا زیادہ محبت حضرت محمدﷺ کے امتیوں کے دل میں اپنے رسولؐ کے لئے ہے' لہٰذا واضح کر دیا گیا کہ کہیں تم بھی اس فتنے میں مبتلا نہ ہو جانا۔ حضرت مسیحؑ کا ذکر کرتے ہوئے بشریت کے بنیادی تقاضوں کے حوالے سے قرآن نے جو دلیل دی ہے' اس کے مطابق حضرت مریم اللہ کی ایک سچی بندی تھیں اور کسی والد یا والدہ کا بیٹا ہونا بشریت کا مظہر ہے۔ اسی طرح فرمایا گیا کہ وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ بھوک لگنا اور کھانا کھانا بھی بشریت کا حصہ ہے۔

سورۃ الکہف کی آیت 110 میں آگے ارشاد ہوتا ہے: ''میری طرف وحی کی جاتی ہے۔'' یہ بات سمجھ لیجئے کہ بشر ہونا آنحضورﷺ کی فضیلت میں کمی کا موجب نہیں ہے بلکہ اسی سے تو آپؐ کی بڑائی ثابت ہو رہی ہے۔ ایک بشر ہوتے ہوئے یہ اعلیٰ مقام حاصل کرنا ہی تو اصل کمال ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف دونوں کے آغاز میں حضرت محمدﷺ کی نسبتِ عبدیت کو نمایاں کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا: ''پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی'' اور ''کُل تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل فرمائی۔''

حضرت محمدﷺ عام انسانوں سے اس اعتبار سے مختلف ضرور ہیں کہ انہیں اللہ کے پیغامات براہ راست پہنچتے ہیں۔ انسانوں کو جو فکری اور عملی ہدایت درکار ہے' وہ وحی کے ذریعے آتی ہے اور اس میں تمام مسائل کا حل ہے۔ اس وحی کا حاصل کیا ہے' اسے آیت زیر درس کے اگلے حصے میں واضح کر دیا گیا کہ: ''تمہارا معبود تو بس ایک ہی معبود ہے۔'' گمراہی اور ضلالت جس نوع کی بھی ہو' اس کا راستہ شرک سے جڑتا ہے جبکہ ہدایت کُل کی کُل توحید میں مضمر ہے۔ اگر توحید نہیں ہے تو انسان خود فریبی میں مبتلا ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا گیا ''تو جو کوئی امید رکھتا ہو اپنے رب سے ملاقات کی' پس وہ کچھ نیک عمل کرے۔'' اس وحی کے ذریعے حقائق کھول دیئے گئے اور معرفت رب کی چنگاری تمہارے باطن میں ہے۔ جن حقائق کی قرآن ہمیں اطلاع دے رہا ہے' وہ ہماری فطرت سے مطابقت رکھتے ہیں۔ نیک عمل کے لئے ہمارے پاس معیار رسولؐ کی ذات ہے۔ جس چیز کا رسولؐ نے حکم دیا' اسے مضبوطی سے تھامنے جب کہ جس سے روک دیا' اس سے باز آ جانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ برائی سے بچنا بھی خود اپنی جگہ عمل صالح ہے۔

اس سورۂ مبارکہ کے آخری الفاظ بہت اہم ہیں۔ فرمایا: ''اور وہ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔'' جب کوئی ایک مرتبہ اللہ کا بندہ بننا قبول کر لے تو اب اس پر کار بند ہو کر دکھائے۔ شرک فی العبادۃ بڑا باریک اور خفی شرک ہے۔ شرک فی الذات بہت واضح ہے کہ کسی کو اللہ کا بیٹا یا بیٹی بنا دیا' کسی کے بارے میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ذات میں حلول کر لیا ہے' یا پھر بتوں کو آگے رکھ کر پوجنا شروع کر دیا۔ شرک فی العبادۃ کی ایک صورت ریاکاری ہے۔ اس کے بارے میں حدیث مبارکہ ہے کہ جس نے دکھاوے کے لئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا۔ عبادت تو خالص اللہ کے لئے ہونی چاہئے۔ دکھاوے کے لئے کوئی نیکی کا کام کرنا شرک فی العبادۃ ہے۔ اس کے اور بھی گوشے ہیں۔ مثلاً اللہ کی بندگی کا تقاضا ہے کہ صرف اسی کی اطاعت ہو اور مطاع مطلق وہی ہو۔ پاکستان کے دستور میں تو یہ بات مان لی گئی ہے لیکن عملی زندگی میں نفس کی اطاعت ہمارے اوپر مقدم اور حاوی ہے' اِلّا ماشاء اللہ۔ لہٰذا ہمارا اصل معبود نفس قرار پایا۔ باطل نظام کی اطاعت بھی اسی زمرے میں آئے گی۔ اگر کوئی مطاع مطلق کی حیثیت کو چیلنج کرتا ہے تو اس کی بات ہرگز نہیں مانی جائے گی۔ اللہ کی عبادت میں اطاعت کا عنصر شامل ہے۔ اسی طریقے سے اگر غیر اللہ یا مال و دولت کی محبت' اللہ کی محبت سے بڑھ گئی تو یہ بھی شرک فی العبادۃ ہے۔ اسی میں غیر اللہ سے دعا کرنا اور ظاہراً یا معناً جھک جانا بھی شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں توحید کے راستے پر چلنے اور شرک کی تمام اقسام سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

(مرتب: محمد خلیق)

منتخب تحریکی نظم

چلو!

ماہر القادری

بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھاتے ہوئے چلو
ایقان کے چراغ جلاتے ہوئے چلو

جن کو مٹا سکے نہ کوئی دورِ انقلاب
کچھ ایسے نقش بھی تو بناتے ہوئے چلو

جاگے ہوؤں کو گرمیِ رفتار بخش دو
سوتے مسافروں کو جگاتے ہوئے چلو

انکار نے دلوں کو بہت سرد کر دیا
سوزِ یقیں سے آگ لگاتے ہوئے چلو

ضامن ہے عافیت کی سلامت روی کی چال
کہتا ہے کون حشر اٹھاتے ہوئے چلو

دل میں خدا کا خوف نہیں ہے تو کچھ نہیں
یہ بات ہر کسی کو بتاتے ہوئے چلو

شایانِ التفات فقط پھول ہی نہیں
کانٹوں کی تشنگی بھی بجھاتے ہوئے چلو

اب وقت ہے کہ شعر و ادب کی زبان سے
مفہوم لا الٰہ بتاتے ہوئے چلو

(انتخاب: قاضی عبد القادر)

تجزیہ

اتحاد و اتفاق: حقیقی قومی ضرورت

ایوب بیگ مرزا

تاریخ کی حیثیت ایک اتالیق کی سی ہے۔ اس کا دیا ہوا سبق کتابوں میں محفوظ ہوتا ہے اور انسانوں کے سینوں میں بھی موجود ہوتا ہے جسے وہ دوسروں کو منتقل کرتے رہتے ہیں لیکن جس طرح کسی فرد کے برے دن آئے ہوں تو اس کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے وہ نہ اپنے ماضی سے سبق سیکھتا ہے نہ دوسروں کے تجربات سے فائدہ اٹھاتا ہے اسی طرح روبہ زوال قوم بھی تاریخ کو پرانے زمانے کی کہانیاں سمجھ کر نظر انداز کرتی ہے۔

تاریخ کی کتابوں میں درج ہے کہ جب سلطان محمد نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا اُس وقت وہاں عیسائی حکومت قائم تھی عوام اور خواص دونوں کی سطح پر چند مذہبی مسائل بڑے متنازعہ بن چکے تھے۔ علماء دو حصوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ پارکوں اور چوکوں میں عوام اکٹھے ہو جاتے تھے علماء کتابوں کے انبار لگا دیتے تھے دونوں طرف سے دلائل دیئے جاتے تھے یعنی مناظرہ ہو رہا ہوتا تھا دونوں طرف سے جوش و خروش کا اظہار ہوتا اور بعض اوقات جھگڑے اور فساد کی نوبت بھی آ جاتی کوئی ہار ماننے کو تیار نہ ہوتا۔ مسائل کیا تھے سوئی کے نکے پر کتنے فرشتے آ سکتے ہیں۔ دوسرا بڑا مسئلہ یہ بھی تھا کہ حضرت مریم حضرت عیسیٰؑ کو جنم دینے کے بعد بھی کنواری رہیں اور تیسرا بہت بڑا مسئلہ یہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ نے رفع آسمانی سے پہلے جو کھانا کھایا تھا اس میں روٹی خمیری تھی یا فطیری۔

یہ اُس قوم کا حال تھا جس کا دشمن اس کے سر پر پہنچ چکا تھا پھر جب انگریز ہندوستان کو غلام بنانے کے لئے ہندوستان میں داخل ہو رہے تھے اور مسلمانوں کی حکومت ختم کرنے کی تیاریاں مکمل کر رہے تھے اُس وقت علمائے ہند کے لئے سب سے زیادہ غور طلب مسئلے یہ تھے اللہ بھی چاہے تو دوسرا محمد ﷺ پیدا کرنے پر قادر ہے یا نہیں اگر آپ کہیں کہ نہیں تو اللہ رب العزت قادر مطلق نہ ہوا (معاذ اللہ) اور اگر آپ کہیں کہ ہاں اللہ قادر ہے تو پھر محمد ﷺ متاع نظیر نہ ہوئے۔ اسی طرح امکانِ کذب کا مسئلہ تھا کہ (معاذ اللہ) اللہ جھوٹ بولنے پر قادر ہے یا نہیں۔ مفتیانِ دین اس پر شب و روز محنت صرف کر رہے تھے عوام بری طرح تقسیم ہو چکے تھے اور انگریز مسلمانوں پر فیصلہ کن ضرب لگانے کی تیاریوں میں تھا۔

آج کیا ہو رہا ہے پاکستان دشمنوں میں گھرا ہوا ہے اور اندرونی اختلافی مسائل دو چار نہیں درجنوں ہیں مثبت اختلافات نہیں۔ سیاسی، قومی اور مذہبی بنیادوں پر تفرقہ ہے۔ حد یہ ہے کہ حکمران ہیں جنہیں اپنا اتحادی قرار دیتے ہیں، قوم انہیں اپنا بدترین دشمن قرار دیتی ہے۔ صوبائی عصبیت اس درجہ کو پہنچ چکی ہے کہ ایک منصوبے کو ایک صوبہ زندگی اور دوسرا موت قرار دیتا ہے۔ نہ مسلمان ہونے پر فخر ہے نہ پاکستانی ہونے پر فخر ہے، تو بلوچی اور سندھی ہونے پر، ہے پنجابی اور پٹھان ہونے پر ہے اگرچہ پنجابیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ پاکستان کے حوالہ سے سوچتے ہیں لیکن مخالفین کا جواب یہ ہے کہ آپ کا تعلق حکمران اور مراعات یافتہ صوبہ سے ہے۔ ان کے بقول پنجاب چونکہ دوسروں کے حقوق تلف کر رہا ہے لہٰذا پاکستانیت کو وہ اپنے مفاد میں استعمال کر رہا ہے۔ بقول اُن کے اگر وہ حقوق سے محروم صوبہ ہوتا پھر پنجابیوں کی پاکستانیت کا پتہ چلتا۔

مذہبی ٹھیکے داروں کا حال سب سے برا ہے کافر کافر کی صدائیں پورا گلا پھاڑ کر لگا رہے ہیں۔ اسلام سے زیادہ اسلام آباد میں دلچسپی رکھتے ہیں اور حصولِ مقصد کے لئے کبھی سیکولر جماعتوں سے اتحاد ہوتا ہے کبھی مذہبی اتحاد بنائے جاتے ہیں۔ مشترکہ جلسے اور جلوس ہوتے ہیں ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر تصاویر بنوائی جاتی ہیں لیکن نماز پڑھتے وقت الگ الگ جماعتیں ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کر دیتے ہیں۔

وردی کا مسئلہ ایسی صورت حال اختیار کر گیا ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس قوم کو کوئی اور مسئلہ درپیش ہی نہیں۔ مشرف اور اُن کی پروردہ "ق" لیگ کا تازہ ترین موقف ہے کہ وردی نہ رہی تو کچھ نہیں رہے گا۔ پاکستان صرف مشرف کے وردی پہننے سے بچا ہوا ہے۔ ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے وردی اتری تو پاکستان کی کھال اتر جائے گی اور باوردی مشرف کے بغیر پاکستان کی سلامتی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اپوزیشن جماعتیں کہہ رہی ہیں کہ ایک مرتبہ وردی اتری تو چٹکی بجتے ہی پاکستان جو اس وقت مسائلستان بنا ہوا ہے، جنت نظیر بن جائے گا۔

ایم ایم اے جو سترھویں ترمیم کو اپنا بہت بڑا کارنامہ بتاتی تھی اُن سے جب پوچھا جاتا ہے کہ تمہارا اسلام وہ کیا ہوا تو اُن کا جواب ایسا ہوتا ہے کہ گویا اسلام وردی تلے آ گیا ہے جونہی وردی اتری نیچے سے اسلام برآمد ہو گا۔ کبھی یہی لوگ بھٹو کے بارے میں کہتے تھے، صرف یہی فساد کی جڑ ہے جونہی بھٹو جائے گا اسلام آ جائے گا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ مشرف کے خلاف نہیں اس کی وردی کے خلاف ہیں کیونکہ مشرف کی بدولت انہیں ملک کے ڈیڑھ صوبے میں بہت سی سیٹیں نصیب ہوئی ہیں۔ آج اگر ملک کی مقبول قیادت وطن واپس آ جائے تو اصلیت آشکارا ہو جائے گی۔ بہرحال ایم ایم اے نے آج کل وردی کا مسئلہ یوں اٹھایا ہے جیسے دین وملت کا واحد مسئلہ یہی ہے۔

دوسری طرف اسلامی جمہوریہ پاکستان کے اصل حکمران جنرل مشرف کو رتی بھر یہ محسوس نہیں ہو رہا کہ انہوں نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر ساری قوم کے سامنے یہ وعدہ کیا تھا اگر وہ جھوٹے عذر تراش کر اس وعدہ سے منحرف ہوتے ہیں تو عوام انہیں کس نظر سے دیکھیں گے آخری اور انتہائی خطرناک بات یہ ہے کہ دفاعی اور خارجی پالیسی کے حوالہ سے حکمران مغرب اور امریکہ کی طرف دیکھ رہے ہیں جبکہ عوام انہیں اسلام اور پاکستان دونوں کا دشمن سمجھتے ہیں۔ حکمران امریکہ کے اتحادی اور دہشت گردی کی جنگ میں اسکے ساتھ فرنٹ لائن میں کھڑے ہیں جبکہ عوام امریکہ کو ظالم، جابر اور ریاستی دہشت گرد قرار دیتے ہیں۔

پنجاب اور سندھ میں عوام زبان اور قلم کی حد تک امریکہ اور حکمرانوں سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں جبکہ سرحد اور بلوچستان کے بہت سے علاقوں میں عوام اور حکمرانوں کے درمیان اس مسئلے پر باقاعدہ جنگ جاری ہے اور دونوں اطراف سے جانیں تلف ہو رہی ہیں۔ حکمران انہیں جنگجو اور دہشت گرد کہتے ہیں جبکہ وہ حکمرانوں کو امریکہ کا ایجنٹ قرار دیتے ہیں۔ یہ ہے اُس پاکستان کا داخلی منظر نامہ جس کے خلاف بھارت اور اسرائیل کھلم کھلا اپنے عزائم کا اظہار کر چکے ہیں اور امریکہ پاکستان کے ان دشمنوں کا پشت پناہ ہے۔ اپوزیشن یا عوام اور حکمرانوں کے درمیان اوپر جن اختلافات کا ذکر کیا گیا ہے۔ راقم اُن میں سے کسی کو غلط یا صحیح قرار دینے کے بارے میں اپنا فیصلہ محفوظ رکھتا ہے۔ البتہ امریکہ کی اسلام اور مسلم دشمنی اتنی ظاہر اور باہر ہے کہ اس سے انکار ممکن نہیں اس دشمنی کے بارے میں کوئی غیر جانبدار لوگ یا ادارے دو رائے نہیں رکھ سکتے۔ اس حقیقت کو تو شاید ہمارے حکمران بھی تسلیم کرتے ہوں گے۔

راقم کی رائے میں پاکستان بلکہ امت مسلمہ کے تقریباً سبھی حکمرانوں کی دو مجبوریاں ہیں جن کی بنیاد پر انہیں امریکہ کو دوست قرار دینا پڑتا ہے اولاً اُن کی اپنی کرسی

کی مجبوری اور ثانیاً جسے وہ فخر سے ڈپلومیسی کہتے ہیں یا زمینی حقائق کہتے ہیں یا حکمت کا نام دیتے ہیں کہ وقت کی سپریم پاور کے غیض وغضب سے بچنے کا یہی طریقہ ہے۔

بہر حال اس دنیا سے پاکستان کے وجود کو مٹانے کے لئے یا اُسے مکمل طور پر معذور اور مفلوج کر دینے کے لئے ایک طاقتور ٹرائیکا وجود میں آ چکی ہے اور وہ بھارت' اسرائیل اور امریکہ پر مشتمل ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر کر دینا اور بھی مفید اور ضروری ہے کہ پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے ایسا جغرافیائی وجود عطا فرمایا ہے کہ امریکہ جیسے طاقتور ترین ملک کو بھی کچھ نہ کچھ مجبوری لاحق ہے کہ وہ ظاہری اور عارضی طور پر پاکستان کو دوست قرار دے۔ چنانچہ وہ اس معاملے میں اپنے دوسرے قدرتی حلیفوں کا کھلم کھلا ساتھ دینے کی بجائے اندرونی طور پر سازشوں میں شریک رہتا ہے اور ہمارے ازلی دشمن بھارت کو فرنٹ پر رکھتا ہے۔ اسی سازش کا نتیجہ ہے کہ اس نے ہماری فوج کو مغربی سرحد پر اپنوں سے ٹکرا دیا ہے۔ دونوں طرف مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے۔ جس سرحد پر ہم چند ہزار سرحدی گارڈز سے کام چلاتے تھے اس سرحد پر ہمیں پانچ ڈویژن فوج رکھنی پڑی ہے۔ ظاہر ہے ہم اپنی مشرقی سرحد سے اٹھا کر ادھر لائے ہیں۔

بلوچستان میں حالیہ شورش میں بھارت کی خفیہ ایجنسی ''را'' کی کارستانیاں اب راز نہیں رہیں شاید اسی لئے جنرل مشرف کے انتہائی معتمد ساتھی طارق عزیز نے بھارت کا خفیہ دورہ کیا ہے۔ بھارت جو کچھ بلوچستان میں کر رہا ہے وہ تنہا بھارت نہیں کر رہا بلکہ امریکہ اس معاملے میں بھی بھارت کی رہنمائی کر رہا ہے چین کا گوادر پورٹ کے ذریعے ایران' ترکی اور عرب ممالک تک رسائی حاصل کر لینا امریکہ کو کسی طرح گوارا نہیں۔ ویسے بھی بلوچستان جو معدنی دولت سے مالا مال ہے اُسے دیکھ کر امریکہ کی رال ٹپکتی رہتی ہے لہٰذا ایسی اطلاعات ہیں کہ ہمارے دشمنوں نے بلوچستان میں کروڑوں روپیہ اور بے تحاشہ اسلحہ تقسیم کیا ہے۔ صوبائی عصبیت کو ہوا دی جا رہی ہے اور فوج جو زیادہ تر پنجاب سے تعلق رکھتی ہے اس حوالہ سے دونوں یعنی فوج اور پنجاب کے خلاف بلوچ نوجوانوں کے ذہن میں زہر بھرا جا رہا ہے۔

بھارت خود گیس کے بحران میں مبتلا ہے بلوچستان کو پاکستان سے الگ کرنے کی سازش سے پاکستان کہیں بڑے بحران سے دوچار ہو جائے گا۔ کالا باغ ڈیم کے بارے میں بھی قوم پرستوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے چند سال تک اگر مزید ڈیم نہ بن سکے تو سارا پاکستان ہی چولستان کا نقشہ پیش کرے گا۔ دشمن کی یہ خواہش معلوم ہوتی ہے کہ بغیر جنگ کے پاکستان کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔ بہر حال اس مقصد کے حصول کے لئے جنگ بھی کرنی پڑے تو ہمارا مشترکہ دشمن گریز نہیں کرے گا۔ عراق کے پاس وسیع پیمانے پر تباہی والے ہتھیار نہیں تھے پھر بھی یہ شوشہ اٹھا کر اسے تباہ کر دیا۔ ہم تو خود اعلان کر رہے ہیں کہ ہمارے پاس ایسے ہتھیار ہیں۔ تہذیبوں کی جنگ جیتنے کے لئے دشمن ہمیں ان ہتھیاروں سے دستبردار ہونے کے لئے یقیناً کہے گا۔

ان بیرونی خطرات سے بچنے کے لئے جو اقدامات فوری اور ہنگامی طور پر کرنے چاہئیں وہ داخلی سطح پر تفرقات کو ختم کرنا ہے۔ داخلی سطح پر اتفاق و اتحاد کی اصل ضرورت ہے اس کے لئے فریقین کو انا پسندی' اقتدار کی ہوس اور تکبر و نخوت کو خیر باد کہنا ہوگا اور انصاف کا تقاضا ہے حکومت اس معاملے میں پہل بھی کرے اور قربانی بھی دے اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم ذاتی مفاد پر قومی اور ملکی مفاد کو ترجیح دیں۔ البتہ ملک کے مسائل کا حقیقی اور دائمی حل صرف اور صرف اسلامی نظام کا نفاذ ہے۔

❁ ❁ ❁

پریس ریلیز 17 ستمبر 2004ء

صدر مشرف امریکہ کی غلامی چھوڑ کر اللہ کی غلامی اختیار کریں

آج پورے ملک میں صدر پرویز مشرف کی وردی کے حوالے سے قوالی ہو رہی ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک اصل مسئلہ وردی اتارنے یا وردی میں رہنے کا نہیں ہے۔ اگر صدر مشرف امریکہ کی غلامی چھوڑ کر اللہ کی غلامی اختیار کریں اور ملک میں شریعت نافذ کر دیں تو پھر وردی ہمارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطاب جمعہ کے اختتام پر کہی۔ انہوں نے کہا کہ آج کے انسان کا فلسفہ حیات یہ ہے کہ دنیاوی زندگی کو زیادہ سے زیادہ پُر آسائش بنانے کی فکر کرو۔ جبکہ انسان کا اصل مسئلہ آخرت میں ابدی خسارے یعنی جہنم سے بچنا ہے۔ قرآن میں اللہ نے انسان کی کامیابی کا معیار یہی بتایا ہے کہ اصل کامیاب وہ شخص ہے جو جہنم سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔ اس معاملے میں حکمرانوں یا عوام کی کوئی تمیز نہیں، آخرت کی ناکامی اور جہنم کی آگ سے بچنا ہر انسان کا سب سے بڑا اور حقیقی مسئلہ ہے۔ لیکن ابلیس نے انسان کو ان حقیقی مسائل سے غافل کر کے دنیاوی زندگی کے مسائل میں الجھا دیا ہے۔ چنانچہ آج انسانوں میں تعیشاتِ زندگی کے حصول کے لئے ایک دوڑ لگی ہوئی ہے اور انسان اپنے حقیقی مقام سے گر کر جانور کی سطح پر زندگی گزار رہا ہے۔ حافظ عاکف سعید نے کہا کہ ان معاملات میں ہمیں قرآن پاک سے مکمل رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ قرآن کی رُو سے ہر شخص حالتِ امتحان میں ہے۔ دنیا کی زندگی ایک امتحانی وقفہ ہے۔ آخرت میں ہمیں اس کائنات کے خالق و مالک اور اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے۔ لہٰذا ہمیں ان حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی زندگی کی ترجیحات کا تعین کرنا چاہئے ورنہ ہمیں پچھتانا پڑے گا اور موت کے بعد کا پچھتاوا کسی کام نہ آئے گا۔

(جاری کردہ: شعبہ نشر و اشاعت' تنظیم اسلامی)

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ

❁ از روئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟
❁ ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
❁ نیکی' تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ مندرجہ ذیل خط و کتابت کورسز سے فائدہ اٹھائیے:

(1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس (2) عربی گرامر کورس (I'II'III) (3) ترجمہ قرآن کریم کورس مزید تفصیلات اور پراسپکٹس (مع جوابی لفافہ) کے لئے رابطہ:

شعبہ خط و کتابت کورسز 'قرآن اکیڈمی' 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

ہندووانہ رسومات کے خاتمے کے لئے پورے معاشرے کو جہاد کرنا ہوگا!

کیا بیٹی کی شادی کرنا جرم ہے جس کی سزا باپ کو جہیز کی شکل میں دی جاتی ہے؟

جہیز ایسی بھی لازمی شے نہیں‘ جس کے بغیر لڑکی دلہن نہ بن سکے

شادی بیاہ کی مروجہ رسومات کا حقیقت پسندانہ جائزہ!

تحریر: مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

چند سال پہلے شام کے ایک بزرگ شیخ عبدالفتاح ہمارے یہاں تشریف لائے ہوئے تھے‘ اتفاق سے ایک مقامی دوست بھی اسی وقت آگئے اور جب انہوں نے ایک عرب بزرگ کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو ان سے دعا کی درخواست کرتے ہوئے کہا کہ ”میری دو بیٹیاں شادی کے لائق ہیں‘ دعا کیجئے کہ اللہ ان کی شادی کے اسباب پیدا فرما دے“۔ شیخ نے ان سے پوچھا کہ کیا ان کے لئے کوئی مناسب رشتہ نہیں مل رہا‘ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ رشتہ تو دونوں کا ہو چکا ہے‘ لیکن میرے پاس اتنے مالی وسائل نہیں ہیں کہ ان کی شادی کر سکوں۔ شیخ نے یہ سن کر انتہائی حیرت سے پوچھا کہ لڑکیاں ہیں یا لڑکے؟ کہنے لگے کہ لڑکیاں ہیں۔ شیخ نے سراپا تعجب بن کر کہا کہ لڑکیوں کی شادی کے لئے مالی وسائل کی کیا ضرورت ہے؟ انہوں نے کہا کہ میرے پاس انہیں جہیز میں دینے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ شیخ نے پوچھا جہیز کیا ہوتا ہے؟ اس پر حاضرین مجلس نے انہیں بتایا کہ ہمارے ملک میں یہ رواج ہے کہ باپ شادی کے وقت اپنی بیٹی کو زیورات‘ کپڑے‘ گھر کا اثاثہ اور بہت سا ساز و سامان دیتا ہے‘ اسے جہیز کہتے ہیں اور جہیز دینا باپ کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے‘ جس کے بغیر لڑکی کی شادی کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور لڑکی کے سسرال والے بھی اس کا مطالبہ کرتے ہیں۔ شیخ نے یہ تفصیل سنی تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ کیا بیٹی کی شادی کرنا کوئی جرم ہے‘ جس کی سزا باپ کو دی جاتی ہے؟ پھر انہوں نے بتایا کہ ہمارے ملک میں اس قسم کی کوئی رسم نہیں ہے‘ اکثر جگہوں پر تو یہ لڑکے کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے کہ اپنے گھر میں دلہن کو لانے سے پہلے گھر کا اثاثہ اور دلہن کی ضروریات فراہم کر کے رکھے۔ لڑکی کے باپ کو کچھ نہیں خرچ کرنا پڑتا اور بعض جگہوں پر رواج یہ ہے کہ لڑکی کی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے سامان تو باپ ہی خریدتا ہے‘ لیکن اس کی قیمت لڑکا ادا کرتا ہے۔ البتہ باپ اپنی بیٹی کو رخصتی کے وقت کوئی مختصر تحفہ دینا چاہے تو دے سکتا ہے‘ لیکن وہ بھی کچھ ایسا ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ اس واقعے سے کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں جہیز کو جس طرح بیٹی کی شادی کا ایک ناگزیر حصہ قرار دیا گیا ہے اس کے بارے میں عالم اسلام کے دوسرے علاقوں کا کیا نقطہ نظر ہے؟

جیسا کہ شیخ کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ شرعی اعتبار سے جہیز کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ اگر کوئی باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے ہوئے اسے کوئی تحفہ اپنی استطاعت کے مطابق دینا چاہے تو دے اور ظاہر ہے کہ تحفہ دیتے وقت لڑکی کی آئندہ ضروریات کو مد نظر رکھا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ لیکن یہ شادی کے لئے کوئی لازمی شرط ہے نہ سسرال والوں کو کوئی حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کریں اور اگر کسی لڑکی کو جہیز نہ دیا جائے یا کم دیا جائے تو اس پر برا منائیں یا لڑکی کو مطعون کریں اور نہ یہ کہ کوئی دکھاوے کی چیز ہے کہ شادی کے موقع پر اس کی نمائش کر کے اپنی شان کا اظہار کیا جائے۔ اس سلسلے میں ہمارے معاشرے میں جو غلط تصورات پھیلے ہوئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱) جہیز کو لڑکی کی شادی کے لئے لازمی شرط سمجھا جاتا ہے‘ چنانچہ جب تک جہیز دینے کے لئے پیسے نہ ہوں لڑکی کی شادی نہیں کی جاتی۔ ہمارے معاشرے میں نہ جانے کتنی لڑکیاں اسی وجہ سے بن بیاہی رہ جاتی ہیں کہ باپ کے پاس انہیں دینے کے لئے پیسہ نہیں ہوتا اور جب شادی سر پر آ ہی جائے تو جہیز کی شرط پوری کرنے کے لئے باپ کو بعض اوقات روپیہ حاصل کرنے کے لئے ناجائز ذرائع بھی اختیار کرنے پڑتے ہیں اور وہ رشوت‘ جعل سازی‘ دھوکہ‘ فریب اور خیانت جیسے جرائم کا ارتکاب بند بھی کرے تو کم از کم اپنے آپ کو قرض (ادھار) کے شکنجے میں جکڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

۲) جہیز کی مقدار اور اس کے لئے لازمی اشیاء کی فہرست میں بھی روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اب جہیز محض ایک بیٹی کے لئے باپ کا تحفہ نہیں ہے جو وہ اپنی خوش دلی سے اپنی استطاعت کی حد میں رہ کر دے بلکہ معاشرے کا ایک جبر ہے‘ چنانچہ اس میں صرف بیٹی کی ضروریات ہی داخل نہیں بلکہ اس کے شوہر کی ضروریات پوری کرنا اور اس کے گھر کو مزین کرنا بھی ایک لازمی حصہ ہے۔ خواہ لڑکی کے باپ کا دل چاہے یا نہ چاہے‘ اسے یہ تمام لوازمات پورے کرنے پڑتے ہیں۔

۳) بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ لڑکی کی ضروریات پوری کر کے اس کا دل خوش کیا جائے‘ بلکہ جہیز کی نمائش کی رسم نے یہ بھی ضروری قرار دے دیا ہے کہ جہیز ایسا ہو جو ہر دیکھنے والے کو خوش کر سکے اور ان کی تعریف حاصل کر سکے۔

۴) جہیز کے سلسلے میں سب سے گھٹیا بات یہ ہے کہ لڑکی کا شوہر یا اس کے سسرال کے لوگ جہیز پر نظر رکھتے ہیں۔ بعض جگہ تو شاندار جہیز کا مطالبہ پوری ڈھٹائی سے کیا جاتا ہے اور بعض جگہ اگر صریح مطالبہ نہ ہو تب بھی توقعات یہ باندھی جاتی ہیں کہ دلہن بہت سا جہیز لے کر آئے گی اور اگر یہ توقعات پوری نہ ہوں تو لڑکی کو طعنے دے دے کر اس کی ناک میں دم کر دیا جاتا ہے۔

جہیز کے ساتھ اس قسم کی جو رسمیں اور تصورات نتھی کر دیئے گئے ہیں اور ان کی وجہ سے جو معاشرتی خرابیاں جنم لے رہی ہیں ان کا احساس ہمارے پورے معاشرے کے اہل فکر میں مفقود نہیں۔ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا بھی گیا ہے‘ بعض تجاویز بھی پیش کی گئی ہیں‘ بلکہ سرکاری سطح پر بعض قوانین بھی بنائے گئے ہیں اور ان کوششوں کا یہ اثر بحمد اللہ ضرور ہوا ہے کہ اب جہیز کے

بارے میں لوگوں کے تصورات میں تبدیلی آئی ہے۔ جہیز کی نمائش کا سلسلہ کم ہوا ہے‘ بین الممالک شادیوں میں جہیز کی پابندی حالات کے جبر نے ترک کرادی ہے‘ لیکن ابھی تک معاشرے کے ایک بہت بڑے حصے میں ان غلط تصورات کی حکمرانی ختم نہیں ہوئی۔

بعض حضرات یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ جہیز کو قانوناً بالکل ممنوع قرار دے دیا جائے لیکن یہ ایک معاشرتی مسئلہ ہے اور اس قسم کے مسائل صرف قانون کی جکڑ بندیوں سے حل نہیں ہوتے اور نہ ایسے قوانین پر عمل کرانا ممکن ہوتا ہے۔ اس کے لئے تعلیم و تربیت اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے ایک مناسب ذہنی فضاء تیار کرنی ضروری ہے۔ بذات خود اس بات میں کوئی شرعی یا اخلاقی خرابی بھی نہیں ہے کہ ایک باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت دلی طور پر ایسی چیزوں کا تحفہ پیش کرے جو اس کے لئے آئندہ زندگی میں کار آمد ہوں۔ اگر دوسرے مقاصد نہ ہوں تو باپ دلی تقاضے کے تحت جو کچھ دینا چاہے دے سکتا ہے‘ لیکن خرابی یہاں سے پیدا ہوتی ہے کہ اول تو اسے نمود و نمائش کا ذریعہ بنایا جاتا ہے اور لڑکے والے عملاً اسے اپنا حق سمجھتے ہیں اور انتہائی گھٹیا بات یہ ہے کہ اس کی کمی کی وجہ سے لڑکی اور اس کے گھر والوں کو مطعون کرتے ہیں۔ جہیز کی ان خرابیوں کو ختم کرنے کے لئے معاشرے کے تمام طبقات کو ان تصورات کے خلاف جہاد کرنا پڑے گا۔ تعلیم و تربیت‘ ذرائع ابلاغ اور وعظ و نصیحت کے ذریعے غلط تصورات کی قباحتیں‘ مختلف انداز اور اسلوب سے متواتر بیان کرنے اور کرتے رہنے کی ضرورت ہے۔ یہاں تک کہ یہ گھٹیا باتیں ہر کس و ناکس کی نظر میں ایک ایسا عیب بن جائیں جس کی اپنی طرف نسبت سے لوگ شرمائیں۔ کسی معاشرے میں پھیلے ہوئے غلط تصورات یا بری عادات اسی طرح رفتہ رفتہ دور ہوتی ہیں کہ اس معاشرے کے اہل اقتدار‘ اہل علم و دانش اور دوسرے بااثر طبقے مل جل کر ایک ذہنی فضا تیار کرتے ہیں۔ یہ ذہنی فضا رفتہ رفتہ فروغ پاتی ہے اور لوگوں کی تربیت کرتی ہے‘ لیکن اس کے لئے انتھک جدوجہد درکار ہے۔ افسوس کہ ہمارے ان طبقوں کے زیادہ تر افراد کچھ ایسے مسائل میں اُلجھ گئے ہیں کہ معاشرے کی اصلاح اور تربیت کا کام جو کسی بھی قوم کی تعمیر کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے‘ کسی شمار قطار میں نہیں آتا۔

ذہنی تربیت اور کردار سازی کا کام سیاست اور فرقہ واریت کی فضاؤں میں ایسا گم ہوا ہے کہ اب اس کا نام ایک مذاق معلوم ہونے لگا ہے۔ لیکن اس صورت حال میں مایوس ہو کر بیٹھ جانا بھی درست نہیں۔ ایک داعی حق کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی بات کہنے سے نہ اکتائے‘ اپنے دائرے کی حد تک کام کرنے سے نہ تھکے‘ بالآخر ایک وقت آتا ہے جب حق و صداقت کی کشش دوسروں کو بھی اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیتی ہے اور قوموں کی نہ صرف سوچ بلکہ عمل میں بھی انقلاب آجاتا ہے۔

شادی کی دعوت اور بارات

جہیز وغیرہ سے متعلق ایٹن برسٹل (برطانیہ) سے ایک صاحب اپنے خط میں لکھتے ہیں :

”میں آپ کی توجہ ایک اہم مسئلے کی طرف دلانا چاہتا ہوں جس کی ابتداء کا زمانہ متعین کرنا تو ایک تاریخ دان کا کام ہے مگر اس کی برائی ہر شخص کے سامنے ہے‘ وہ ہے جہیز۔ جہیز کی رسم چونکہ ہند و پاک میں بسنے والے مسلمانوں میں اپنی پوری چمک دمک کے ساتھ جاری ہے اس لئے جو مسلمان وہاں سے نقل مکانی کر کے مغرب میں آئے تو وہ یہ رسم بھی اپنے ساتھ لائے چنانچہ اب یہ رسم مغرب میں بھی پھیل گئی ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ ایک تو آپ اس کی شرعی حیثیت بیان فرمائیں تاکہ یورپ میں مسلمانوں کی نئی نسل اس سے آگاہ ہو سکے اور شاید ان ہزاروں لڑکیوں کی قسمت پر بھی اس کا کچھ اثر پڑے جو صرف جہیز نہ ہونے کی بناء پر دلہن نہیں بن سکتیں۔ کیا جہیز ضروری ہے؟ اگر ہے تو اس کی مقدار کیا ہے؟ کیا جہیز نہ دینے کے بعد ماں باپ کو اپنی وراثت سے حصہ دینا ضروری نہیں رہتا؟ عموماً عورتیں اپنے حق وراثت سے اس لئے دستبردار ہو جاتی ہیں کہ ان کو جہیز مل جاتا ہے اور غمی خوشی میں ماں باپ کی طرف سے مدد متوقع ہوتی ہے اور ان کی شادی پر بھی خاصا خرچ ہو چکا ہوتا ہے مگر یہ ساری باتیں لڑکے پر بھی صادق آتی ہیں پھر وہ وراثت کا کیونکر حقدار ہو گا؟ لڑکی کے والدین بارات کو جو کھانا کھلاتے ہیں اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ عرب ممالک میں لڑکی کے والدین جو خرچ کرتے ہیں اس کی ادائیگی دولہا کرتا ہے مگر ہمارے یہاں یہ تمام اخراجات والدین پر ہی کیوں ڈالے جاتے ہیں؟

بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ لڑکی کا باپ دولہا سے شادی کے اخراجات کے علاوہ بھی کچھ رقم کا تقاضا کرتا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ بلاشبہ آپ کی کتابوں سے ان گنت لوگ فیض یاب ہو رہے ہیں لیکن آپ نے مضامین کا جو سلسلہ شروع کیا ہے وہ مختصر اور عام فہم ہونے کی وجہ سے زیادہ موثر ہے اور اگر آپ میرے مذکورہ سوالات کی وضاحت فرما دیں تو امید ہے کہ اس سے بہت سے لوگوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو گا“۔ (عبدالمجید ایٹن برسٹل‘ برطانیہ)

مکتوب نگار کے بعض سوالات کا جواب تو میرے پچھلے مضمون میں آچکا ہے مثلاً یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ جہیز ہرگز نکاح کا کوئی ضروری حصہ نہیں ہے اور اس کی استطاعت نہ ہونے کی صورت میں لڑکی کو نکاح کے بغیر بٹھائے رکھنا ہرگز جائز نہیں‘ کوئی باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت اپنی استطاعت کی حدود میں رہتے ہوئے خوشی سے بیٹی کو کوئی تحفہ دینا چاہے تو وہ بے شک دے سکتا ہے لیکن نہ اس کو نکاح کی لازمی شرط سمجھنے کی گنجائش ہے نہ اس میں نام و نمود کا کوئی پہلو ہونا چاہئے اور نہ شوہر یا اس کے گھر والوں کے لئے جائز ہے کہ وہ جہیز کا مطالبہ کریں یا اس کی توقعات باندھیں۔

اب مکتوب نگار نے جو نئی بات کی ہے کہ ”کیا جہیز دینے کے بعد ماں باپ کو اپنی وراثت سے حصہ دینا ضروری نہیں رہتا“۔ یہ غلط فہمی بعض حلقوں میں خاصی عام چیز ہے۔ اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ جہیز کا وراثت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے اگر کسی باپ نے اپنی بیٹی پر جہیز کی صورت میں اپنی ساری کائنات بھی لٹا دی تو تب بھی لڑکی کا حق وراثت ختم نہیں ہوتا۔ باپ کے انتقال کے بعد وہ اپنے باپ کے ترکے میں ضرور حصہ دار ہو گی اور اس کے بھائیوں کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ سارا ترکہ خود لے بیٹھیں اور اپنی بہن کو اس بنیاد پر محروم کر دیں کہ اسے جہیز میں بہت کچھ مل چکا ہے۔ لڑکا ہو یا لڑکی‘ ان کے باپ نے اپنی زندگی میں انہیں جو کچھ دیا اس سے ان کے وراثت کے حصے میں کوئی کمی نہیں آتی۔ البتہ باپ کو حتی الامکان اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ اپنی زندگی میں وہ اپنی اولاد کو جو کچھ دے‘ وہ قریب قریب برابر ہو اور کسی ایک لڑکے یا لڑکی پر دولت کی بارش برسا کر دوسروں پر ظلم نہ کرے۔ بہرحال! یہ بات طے شدہ ہے اور اس میں شرعی اعتبار سے کوئی ادنیٰ شبہ نہیں کہ لڑکی کو جہیز دینے سے اس کا حق وراثت ختم نہیں ہوتا بلکہ جہیز میں دی ہوئی مالیت کو اس کے حصۂ وراثت سے بھی الگ نہیں کیا جا سکتا‘ اسے بہرصورت ترکے سے اپنا پورا حصہ ملنا ضروری ہے۔

مکتوب نگار نے دوسرا مسئلہ یہ اٹھایا ہے کہ لڑکی کے والدین بارات کو جو کھانا کھلاتے ہیں اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس معاملے میں بھی ہمارے معاشرے میں افراط و تفریط پر مبنی تصورات پھیلے ہوئے ہیں۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح لڑکے کے نکاح کے بعد ولیمہ کرنا سنت ہے اسی طرح لڑکی کے باپ کے لئے نکاح کے وقت دعوت کرنا سنت یا کم از کم شرعی طور پر پسندیدہ ہے‘ حالانکہ یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ لڑکی والوں کی طرف سے کسی دعوت کا اہتمام نہ سنت ہے نہ مستحب۔ یہی معاملہ بارات

کا ہے 'نکاح کے وقت دولہا کی طرف سے بارات لے جانا کوئی سنت نہیں 'نہ نکاح کو شریعت نے اس پر موقوف کیا ہے۔

کسی شخص کو کوئی ہدیہ تحفہ دینا یا اس کی دعوت کرنا اگر دل کے تقاضے اور محبت سے ہو تو صرف یہ کہ کوئی گناہ نہیں بلکہ باعث برکت ہے 'بالخصوص جب نئے رشتے قائم ہو رہے ہوں تو ایسا کرنے سے باہمی محبت میں اضافہ ہو جاتا ہے 'بشرطیکہ یہ سب کچھ خلوص سے ہو اور اپنی استطاعت کی حد میں رہ کر ہو لیکن جب یہ چیز نام و نمود اور دکھاوے کا ذریعہ بن جائے یا اس میں بدلے کی طلب شامل ہو جائے یا یہ کام خوش دلی کے بجائے معاشرے اور ماحول کے جبر کے تحت انجام دیئے جائیں یعنی اندر سے دل نہ چاہ رہا ہو لیکن ناک کٹنے کے خوف سے قیمتی تحفے دیئے جائیں یا دعوتیں کی جائیں تو پھر یہ کام جو باعث برکت ہو سکتے تھے الٹے گناہ 'بے برکتی اور نحوست کا سبب بن جاتے ہیں اور ان کی وجہ سے معاشرہ طرح طرح کی اخلاقی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ہماری شامت اعمال یہ ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو خود ساختہ رسموں میں جکڑ کر اچھے کاموں کو بھی اپنے لئے ایک عذاب بنالیا ہے۔ اگر یہی کام سادگی 'بے ساختگی اور بے تکلفی سے کئے جائیں تو ان میں کوئی خرابی نہیں 'لیکن اگر رسموں کی پابندی 'نام و نمود اور معاشرتی جبر کے تحت انجام دیئے جائیں تو یہ بہت بڑی برائی ہے۔

خرابی یہاں سے پیدا ہوتی ہے کہ نکاح میں اگر کوئی دعوت نہ کرے تو سسرال والوں کی طرف سے باقاعدہ مطالبہ ہوتا ہے اور یوں سمجھا جاتا ہے جیسے شادی ہوئی ہی نہیں۔ جن بزرگوں نے بارات لے جانے اور اس کی دعوت کے اہتمام سے روکا 'درحقیقت ان کے پیش نظر یہی خرابیاں تھیں 'انہوں نے اس بات کی ترغیب دی کہ کم از کم کچھ بارسوخ افراد ان دعوتوں کے بغیر نکاح کریں گے تو ان لوگوں کو حوصلہ ہو گا جو ان کی استطاعت نہیں رکھتے اور صرف معاشرے کی مجبوری سے انہیں یہ کام کرنے پڑتے ہیں۔

مکتوب نگار نے آخری بات یہ پوچھی ہے کہ بعض علاقوں میں لڑکی کا باپ دولہا سے نکاح کے اخراجات کے علاوہ مزید کچھ رقم کا مطالبہ بھی کرتا ہے اور اس کے بغیر وہ اپنی لڑکی کا رشتہ دینے پر تیار نہیں ہوتا۔ بے شک یہ بے بنیاد رسم بھی ہمارے معاشرے کے بعض حصوں میں خاصی رائج ہے اور یہ شرعی اعتبار سے بالکل ناجائز رسم ہے۔ اپنی لڑکی کا رشتہ دینے کے لئے دولہا سے رقم لینے کو ہمارے فقہاء کرام نے رشوت قرار دیا ہے اور اس کا گناہ رشوت لینے والے کے گناہ کے برابر ہے بلکہ اس میں ایک پہلو بے غیرتی کا بھی ہے اور یہ عمل اپنی لڑکی کو فروخت کرنے کے مشابہ ہے اور بعض جگہ جہاں یہ رسم پائی ہے اسی وجہ سے شوہر اس کے ساتھ زر خرید کنیز جیسا سلوک کرتا ہے لہٰذا یہ رسم شرعی و اخلاقی لحاظ سے انتہائی غلط رسم ہے، جو واجب الترک ہے۔

(بشکریہ پندرہ روزہ "خلافت اسلامیہ" اسلام آباد)

نظام خلافت میں آئین کیا ہو گا؟

جناب چودھری رحمت علی صاحب نے اپنے مضمون (نوائے وقت 25/06/04)''نظام خلافت اور قرآن وسنت بطور آئین''میں بہت عمدہ دلائل کے ساتھ''خلافت چاہئے'جمہوریت نہیں!''کے مطالبہ کو پیش کیا ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ نظام خلافت قائم نہ کرنے کی سزا کے طور پر آج ہم عدل کے بجائے ظلم 'امن کے بجائے بدامنی و بے سکونی 'اخوت کے بجائے انتشار اور تعصب 'محبت کے بجائے نفرت 'خوشحالی کے بجائے پسماندگی ودر ماندگی اور غلبہ کے بجائے مغلوبیت و غلامی سے دوچار ہیں۔

لہٰذا ہماری توانائیاں نظام خلافت کو قائم کرنے میں صرف ہونی چاہئیں۔ البتہ جب ہم نظام خلافت کی بات کرتے ہیں تو ہمارے ذہن میں فوراً سوال یہ آتا ہے کہ نظام خلافت میں آئین کیا ہو گا؟

جناب چودھری صاحب کی رائے میں آئین توفیقی ہے یعنی حضور ﷺ کے بتانے پر موقوف ہے اور انسانی سوچ قیاس یا اجتہاد کی اس میں گنجائش نہیں۔ آپ کی رائے میں قرآن وسنت میں مکمل آئین موجود ہے۔ راقم اس ضمن میں چند گزارشات پیش کرنا چاہتا ہے۔

بے شک ایک مسلمان کے لئے ہر معاملہ میں ہدایت کا سرچشمہ اور واحد ذریعہ قرآن وسنت نبویؐ ہی ہے مزید یہ کہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر گوشے کے لئے ہدایات موجود ہیں۔ لہٰذا نظام خلافت میں جو آئین نافذ ہو گا وہ بھی قرآن وسنت نبویؐ کی ہدایات کے مطابق ہی تشکیل پائے گا۔

قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے اور محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں۔ اسی لئے قرآن اور سنت نبویؐ کا یہ اعجاز ہے کہ ہر زمانے میں اور انسانی معاشرے کے ہر ڈھانچے میں نہ صرف قابل عمل ہے بلکہ انسانوں کے لئے بہترین حکومت اور بہترین آئین کے لئے رہنما اصول مہیا کرتا ہے۔ جب بادشاہوں نے ان اصولوں کو اپنایا تو وہ زمین پر اللہ کے خلیفہ بن گئے جن سرداروں نے ان اصولوں کو اپنایا ان کے قبیلوں میں اللہ کی حاکمیت قائم ہو گئی۔ آج بھی جو پارلیمنٹ اپنا آئین ان اصولوں کے مطابق بنائے گی وہ اللہ کی خلافت قائم کرنے کا ذریعہ ہو گی۔ جو صدر قرآن وسنت نبویؐ کے اصولوں پر اپنا آئین تشکیل دے گا وہ اللہ کا خلیفہ قرار پائے گا۔ خلافت کا سیاسی نظام نہ بادشاہت کا نام ہے 'نہ پارلیمانی نظام کا اور نہ صدارتی نظام کا۔ حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ تھے لیکن اللہ کے خلیفہ قرار پائے۔ فرعون بادشاہ تھا لیکن اللہ کا باغی تھا۔ لہٰذا بادشاہت''یا آمریت''خلافت نہیں ہے۔ لیکن انہیں خلافت بنانے والے وہ رہنما اصول ہیں جنہیں آج کی زبان میں آئین کہا جاتا ہے۔ حکمران اپنے عہدے کا نام''خلیفہ''رکھ لیں''صدر''''وزیراعظم''''بادشاہ''خادمین حرمین شریفین' رکھ لیں لیکن وہ حقیقی خلیفہ نہیں بن سکتے جب تک کہ حکومت کا آئین یا حکومت کرنے کے بنیادی اصول قرآن وسنت کی ہدایت کے مطابق نہ ہوں۔

ہمارے لئے بہت آسان ہو جاتا اگر قرآن وسنت میں ایسی تفاصیل موجود ہوتیں ایسا تفصیلی آئین موجود ہوتا جو کل کا کل نافذ ہو جاتا۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ہمارا امتحان ہے کہ ہم اپنی رائے 'اپنی خواہشات اور اپنی پسند کو پس پشت ڈال کر ایسا آئین تحریر کریں جو قرآن وسنت کی متعین حدود سے تجاوز نہ کرے اور ہمارے معروضی حالات کو حل کر سکے۔ مثلاً 1400 سال پہلے تجارت کے طریقہ کار مختلف تھے۔ معاشی معاملات میں Bank اور Paper Currency کا وجود نہیں تھا۔ ذرائع ابلاغ نہ ہونے کے برابر تھے۔ موجودہ زمانے کی خلافت کا آئین ان مسائل کے بارے میں خاموش نہیں رہ سکتا۔

راقم کی رائے میں نظام خلافت میں آئین سازی کی بھاری اور کٹھن ذمہ داری بہر حال مسلمانوں کو ہی اٹھانی ہے اور ہمیں اسی لحاظ سے قرآن وسنت نبویؐ کو سمجھنا اور معروضی حالات اور طریقہ کار کو سمجھنا ہو گا۔ اپنی صلاحیتیں بڑھائی جائیں۔ غور وفکر جاری رکھنا چاہئے۔

سچا مسلمان بمقابلہ روشن خیال مسلمان

حافظ ناصر احمد

جو شخص اعلانیہ حکم ماننے سے انکار کر دے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کے قانون کو چھوڑ کر دوسرے قوانین کی پیروی کرے اور انہی قوانین کو درست اور حق سمجھے اور ان کی پیروی کرتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قانون کا مذاق اڑائے اور اس کی اطاعت کو عیب ٹھہرائے وہ تو کسی طرح بھی مومن نہیں ہو سکتا' خواہ وہ زبان سے اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو اور مسلمانوں کے نام سے موسوم ہو اور مردم شماری میں اس کو مسلمان لکھا گیا ہو۔ جان لیجئے! انسان گناہ کر کے بشرطیکہ گناہ کو گناہ سمجھے اور اس پر نادم ہو اور اس قانون کو تسلیم کرے جس کے برخلاف محض اپنی فطری کمزوری کے باعث اس نے کسی فعل کا ارتکاب کیا ہو۔ لیکن جب گناہ کے ساتھ بے شرمی اور ڈھٹائی بھی ہو' اور اس پر فخر بھی کیا جائے' تو کیا پھر بھی ایسے شخص کا ایمان باقی رہ سکتا ہے؟

لیکن کیا کریں! ہمارے روشن خیال اور ''تجدد پسند'' حضرات جب کسی مسئلہ پر گفتگو فرماتے ہیں تو ان کی آخری حجت (جو ان کے نزدیک سب سے قوی حجت ہے) یہ ہوتی ہے کہ زمانے کا رنگ یہی ہے' ہوا کا رخ اسی طرف ہے' دنیا میں ایسا ہی ہو رہا ہے۔ پھر ہم اس کی مخالفت کیسے کر سکتے ہیں اور مخالفت کر کے کیسے زندہ رہ سکتے ہیں۔۔۔۔ اخلاق کا سوال ہو تو یہ کہتے ہیں کہ دنیا کا معیارِ بدل چکا ہے۔۔۔۔ پردے پر بحث ہو تو ارشاد ہوتا ہے کہ دنیا سے اٹھ چکا ہے۔۔۔۔ تعلیم پر گفتگو ہو تو ان کی آخری دلیل یہ ہوتی ہے کہ دنیا میں اسلامی تعلیم کی مانگ نہیں رہی۔۔۔۔ سود کی شناعت بیان ہو تو اس کا جواب یہ ہوتا ہے کہ اب دنیا کا کام اس کے بغیر نہیں چل سکتا۔۔۔۔ غرض یہ کہ تمدن' معاشرت' اخلاق' تعلیم' معیشت' قانون' سیاست اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں سے جس شعبے میں بھی یہ ''اصولِ اسلام'' سے ہٹ کر فرنگیت کا اتباع کرنا چاہتے ہیں' اس کے لئے زمانے کا رنگ اور ہوا کا رخ اور دنیا کی رفتار آخری حجت ہوتی ہے۔

دراصل ہر دور کے منافقانہ کردار کے لوگوں کا یہی طرزِ عمل ہوتا ہے اور ان کی یہی صدا ہوتی ہے کہ ﴿نخشیٰ ان تصیبنا دائرۃ﴾ (المائدہ: 52) ''ہم کو خوف ہے کہ ہم پر کوئی مصیبت آ جائے گی۔'' یہی آواز نفاق کی اس بیماری کا پتہ دیتی ہے جو دلوں میں چھپی ہوتی ہے اور اسی آواز کے بلند کرنے والے ہمیشہ دشمنانِ اسلام کے کیمپ کی طرف لپکتے رہے ہیں۔ ہمیشہ سے انہوں نے اللہ کی قائم کی ہوئی حدوں کو پاؤں کی بیڑیاں اور گلے کا طوق سمجھا ہے' ہمیشہ سے ان کو احکامِ الٰہی اور سنت رسول ﷺ کا اتباع گراں ہی گزرا ہے' اطاعت میں جان و مال کا زیاں اور نافرمانی میں حیاتِ دنیا کی ساری کامرانیاں نظر آتی رہی ہیں' حالانکہ قرآن ان کے سامنے ہے' انبیاء علیہ السلام کی سیرتیں ان کے سامنے ہیں' ابتداء سے لے کر آج تک کے علمبردارانِ اسلام کی زندگیاں ان کے سامنے ہیں۔ کیا ان سب سے ان ''روشن خیال مسلمانوں'' کو یہ ہی تعلیم ملتی ہے کہ ہوا جدھر اڑائے ادھر اڑ جاؤ؟ پانی جدھر بہائے ادھر بہہ جاؤ؟ زمانہ جو رنگ اختیار کرے اسی رنگ میں رنگ جاؤ؟ اگر مدعا یہی ہوتا تو کسی کتاب کے نزول اور کسی نبی کی بعثت کی ضرورت ہی کیا تھی؟ خواہش نفس کی موجیں ہی ان کی ہدایت کے لئے اور حیاتِ دنیا کا بہاؤ ان کی رہنمائی کے لئے اور زمانے کی روش انہیں ''گرگٹ'' کی روش سکھانے کے لئے کافی تھیں۔۔۔۔ جان لیجئے اللہ نے کوئی کتاب ایسی تعلیم دینے کے لئے نہیں بھیجی اور نہ ہی اس غرض کے لئے کوئی نبی مبعوث کیا۔۔۔۔ اس ذات حق کی طرف سے جو پیغام بھی آیا ہے اس لئے آیا ہے کہ دنیا جن غلط راستوں پر چل رہی تھی ان سے ہٹانے کی کوشش کرے اور ان سب سے ہٹا کر ایک سیدھا راستہ مقرر کرے' ایمانداروں کی ایک جماعت بنائے جو نہ صرف خود اس سیدھے راستے پر چلیں بلکہ دنیا کو بھی اس طرف کھینچ لانے کی کوشش کریں۔۔۔۔ اب اگر کوئی شخص یا کوئی گروہ ہدایت آسمانی کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے میں نقصان' مشکلات اور خطرات دیکھتا ہے اور ان سے خوف زدہ ہو کر کسی ایسے راستے پر جانا چاہتا ہے جس پر چلنے والے اس کو خوشحال' کامیاب اور سربلند نظر آتے ہیں' تو وہ شوق سے اپنے پسندیدہ راستے پر چلتا جائے۔ مگر روشن خیالی کے نام پر اسلام کو بدنام تو نہ کرے۔

روشن خیالوں کی خاطر اللہ کی شریعت کو نہ ابتداء میں بدلا گیا تھا' نہ اب بدلا جا سکتا ہے اور نہ کبھی بدلا جائے گا۔ یہ شریعتِ اسلامی بزدلوں اور نامردوں کے لئے نہیں اتری' نفس کے بندوں اور دنیا کے غلاموں کے لئے نہیں اتری ہے' ہوا کے رخ پر اڑنے والے خس و خاشاک' پانی کے بہاؤ پر بہنے والے حشرات الارض اور ہر رنگ میں رنگ جانے والے بے رنگوں کے لئے نہیں اتری۔۔۔۔ یہ ان بہادر شیروں کے لئے اتری ہے جو ہوا کا رخ بدلنے کا عزم رکھتے ہیں' جو دریا کی روانی سے لڑنے اور ان کے بہاؤ کو پھیرنے کی ہمت رکھتے ہوں' جو ''صبغۃ اللہ'' (اللہ کا رنگ) کو دنیا کے ہر رنگ سے زیادہ محبوب رکھتے ہوں اور اسی رنگ میں دنیا کو رنگ دینے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔۔۔۔ مسلمان جس کا نام ہے وہ دریا کے بہاؤ پر بہنے کے لئے پیدا ہی نہیں کیا گیا ہے۔ اس کی آفرینش کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ زندگی کو اس راستہ پر رواں کر دے جو ایمان و اعتقاد میں راہ راست اور صراطِ مستقیم ہے۔ اگر دریا نے اپنا رخ اس راستہ سے پھیر دیا ہے تو اسلام کے دعوے میں وہ شخص جھوٹا ہے جو اس بدلے ہوئے رخ پر بہنے کے لئے راضی ہو جائے۔۔۔۔

حقیقت میں سچا مسلمان وہ ہے جو اس غلط رو دریا سے لڑے' اس کا رخ پھیرنے کی کوشش میں اپنی پوری قوت صرف کر دے' کامیابی اور ناکامی کی اس کو قطعاً پروا نہ ہو' وہ ہر اس نقصان کو گوارا کر لے جو اس لڑائی میں پہنچے یا پہنچ سکتا ہو حتیٰ کہ اگر دریا کی روانی سے لڑتے لڑتے اس کے بازو ٹوٹ جائیں' اس کے جوڑ بند ڈھیلے پڑ جائیں اور پانی کی موجیں اس کو نیم جاں کر کے کسی کنارے پر پھینک دیں' تب بھی اس کی روح ہرگز شکست نہ کھائے اور ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے دل میں اپنی اس ظاہری نامرادی پر افسوس نہ ہو۔

Hafizain@hotmail.com

حضور ﷺ نے فرمایا

جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام کر دی ہیں اُن سے دامن بچاؤ گے تو بہت بڑے عابد بن جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقدر میں جو کچھ لکھ دیا ہے اس پر راضی اور مطمئن ہو جاؤ گے تو تم سے بڑھ کر کوئی دولت مند نہ ہوگا۔ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے تو تم مومن کامل ہو جاؤ گے۔

بڑھ گئے انسان، گھٹ گئے سائے!

قاضی عبدالقادر

آج صورتحال یہ ہے کہ ـــــ

جاپان جو دوسری جنگِ عظیم میں شکست کھا کر بری طرح تباہ ہو چکا تھا' اس کے دو شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرا کر امریکہ نے انہیں کھنڈرات میں تبدیل اور ان کی آبادی کو تقریباً نیست و نابود کر دیا تھا جس کے اثرات آج تک باقی ہیں۔ جنگ سے تباہ شدہ ملک میں وہاں کے باشندوں نے معاشی میدان میں اپنی محنت کے جادو جگائے۔ ڈیفنس جس پر سب سے زیادہ اخراجات ہوتے تھے' امریکی فوجوں کے وہاں کی کمان سنبھالنے کے بعد' اس مد میں رقم بچی اس لئے انہوں نے اپنے سارے وسائل ملک کو صنعتی بنانے میں جھونک دیئے اور اب وہی لنگڑا لولا اور شکست زدہ جاپان معاشی سپرپاور کی حیثیت دنیا سے منوا چکا ہے۔

چین جس کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا تھا کہ ''گراں خواب چینی سنبھلنے لگے'' وہ نہ صرف سنبھلے بلکہ اس قدر معاشی ترقی کی کہ ہمارے ہاں کی مارکیٹیں ان کے سامان سے پٹی پڑی ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لیبر کی Cost کم آنے کی وجہ سے وہ مارکیٹ میں دوسروں سے سستا مال لاتے ہیں۔

یہی حال تائیوان کا ہے جو ملک تو الگ ہے لیکن چین ہی کا حصہ کہلاتا ہے۔ ماؤزے تنگ اور چواین لائی کی فوجوں نے چیانگ کائی شیک کی فوجوں کو دھکیلتے دھکیلتے اپنے Main Land سے باہر کر دیا۔ مجبوراً چیانگ کائی شیک کو امریکی حفاظتی چھتری کے نیچے چین کے جزیرہ فارموسا میں پناہ لینی پڑی جو اب تائیوان کہلاتا ہے اور معاشی و صنعتی لحاظ سے بہت ترقی یافتہ ہے۔

ہانگ کانگ جو انگریزوں کی نوآبادی تھی' کبھی چین کا حصہ تھا اور اب پھر ایک معاہدہ کے تحت چین کو واپس دے دیا گیا ہے' صنعتی میدان میں بہت ترقی کر چکا ہے۔

جنوبی کوریا نے بھی پچھلے دو عشروں میں بے پناہ معاشی و صنعتی ترقی کی۔ ہمارے پلاننگ کمیشن کے ترتیب کردہ ابتدائی پانچ سالہ منصوبہ کو وہ اپنے ہاں لے گئے اور اس سے اپنی ترقی کا آغاز کیا۔ وہ آگے بڑھ گئے' ہم پیچھے رہ گئے۔

ملائیشیا جو پہلے ملایا کہلاتا تھا' دو ملکوں یعنی ملائیشیا اور سنگاپور میں تقسیم ہو گیا۔ سنگاپور نے' جو پہلے ملایا کی بڑی بندرگاہ تھی اب ایک نئے ملک کی شکل اختیار کر لی۔ سنگاپور نے جو ترقی کی وہ تو کی' ملائیشیا صنعتی ترقی میں بہت آگے نکل گیا۔ آج یہ ملک ایشین ٹائیگر بن چکا ہے۔ ملائیشین قوم اقتصادی اور معاشی میدان میں ایک اعلیٰ مقام حاصل کر چکی ہے۔

فرد ہو یا قوم' کافر ہو یا مسلمان جو محنت کرے گا وہ اس کا پھل پائے گا۔ قرآن کریم کہتا ہے ـــ **اَلَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى** ''اور یہ کہ انسان کے لئے کچھ نہیں ہے' مگر وہ جس کی اس نے سعی کی (سورہ نجم: 39) اور ـــ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَابِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُ مَا بِاَنْفُسِهِمْ** یعنی بقول شاعر ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

یہ مشرقِ بعید کے چند ممالک کی ترقی کا ایک مختصر سا جائزہ ہے۔ اس میں سوائے جاپان کے باقی ممالک نے اقتصادی و صنعتی ترقی گزشتہ دو تین عشروں میں کی ہے۔ جبکہ ایک ہم ہیں کہ پاکستان بننے کے بعد ہماری قوم میں کچھ کر جانے کا جذبہ موجود تھا۔ ہم نے ترقی کی جانب خاصے قدم بڑھائے بھی' لیکن اس کے بعد ترقی رک گئی اور پھر ریورس گیئر شروع ہو گیا۔ جو حکومت آتی ہے وہ معاشی بدحالی کا بوجھ جانے والی حکومتوں پر ڈالتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ برسوں کی خرابی ایک رات میں ختم نہیں ہو سکتی۔ معاشی انقلاب برپا کئے جانے کے بلند بانگ دعوے کئے جاتے ہیں لیکن عملاً پچھلوں کی طرح لوٹ مار شروع ہو جاتی ہے اور جاتے جاتے معاشی بدحالی کی دیوار پر چند ردّے اور رکھ دیئے جاتے ہیں۔ یہ کھیل برابر جاری ہے ـــ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ قوم کے ساتھ یہ مذاق کب ختم ہو گا۔ اب آیئے بات کو ایک دوسرے رُخ پر لے کر چلتے ہیں۔

یہ ہے اسلامی تاریخ کا ایک چمکتا دمکتا ستارہ ـــ عظیم مسلمان سیاح اور جغرافیہ دان ـــ ابن بطوطہ ـــ جو مراکش کے شہر طنجہ میں فروری 1304ء میں پیدا ہوا' جس کی روداد آج بھی علماء تاریخ و ادب کے لئے ماخذوں کے ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ابھی 22 برس کا تھا کہ حج کے سفر پر نکل کھڑا ہوا۔ حج سے فارغ ہونے کے بعد دنیا کا عظیم طوفانی سفر شروع کر دیا۔ جنوبی افریقہ و مشرقی افریقہ کے ممالک' مصر' شام' ترکی' مشرق وسطیٰ کے دیگر ممالک' ہندوستان' جزائر مالدیپ' ترکستان' انڈونیشیا' چین' سری لنکا غرض کہ اس نے 75 ہزار میل کا سفر تن تنہا کیا جس میں 28 برس صرف ہوئے' اسے نہ کوئی پاسپورٹ بنوانا پڑا' نہ کہیں کا ویزا لینا پڑا۔ گویا ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست۔ آج کی دنیا تو ایک گلوبل ویلج بن گئی ہے۔ آپ ایک جگہ بیٹھے بیٹھے منٹوں میں دنیا بھر کی معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ دنیا بھر میں جہاں جہاں جانا چاہیں چند گھنٹوں میں جا سکتے ہیں۔ ابن بطوطہ کے دور میں ذرائع رسل و رسائل تقریباً مفقود تھے۔ اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ بغداد میں اس کو اطلاع ملی کہ اس کے والد کا مراکش میں پندرہ برس قبل انتقال ہو چکا ہے ـــ پھر ابن بطوطہ کی حیثیت نری ایک سیاح کی نہ تھی۔ وہ جہاں بھی گیا اس کا پرجوش استقبال کیا گیا۔ اس کو سرکاری عہدے پیش کئے گئے یہ دیکھے بغیر کہ وہ کس ملک کا باشندہ ہے۔ دہلی میں محمد تغلق نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور قاضی مقرر کیا۔ ترکی میں شاہی مہمان کی حیثیت رہی۔ جزائر مالدیپ کے سلطان نے بھی قاضی کا عہدہ پیش کیا۔ آخری دنوں میں اپنے وطن مراکش میں قاضی کے عہدہ پر فائز تھا اور وہاں کے حکمران کی خواہش پر اپنی آپ بیتی لکھی جو آج ''سفرنامہ ابن بطوطہ'' کے نام سے ملتی ہے۔

یہ قصہ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ امتِ مسلمہ ایک فردِ واحد کی طرح ہے جو سرحدوں کی حدود و قیود سے ماوراء ہے۔ اگر الجزائر یا مراکش میں کسی مسلمان کو کانٹا چبھے تو اس کی کسک انڈونیشیا تک محسوس کی جانی چاہئے۔ ترکی میں اگر خلافت کا خاتمہ ہو تو اس کی تحریک برصغیر پاک و ہند میں شدت سے برپا ہو جاتی ہے۔ اہل آدمی کسی بھی مسلمان ملک کا ہو اس کی خدمات سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اس میں کسی کی قومیت وغیرہ آڑے نہ آنی چاہئے۔ ہمارے ہی ملک کی بات ہے یہاں پر ''اہل'' کی بجائے ''نااہل'' کو باہر سے امپورٹ کیا گیا۔ معین قریشی جس کا سب کچھ امریکہ میں ہے' وہ امریکی پاسپورٹ پر آیا۔ جہاز ہی میں تھا کہ جلدی جلدی اس کا پاکستانی شناختی کارڈ بنوایا گیا اور اسلام آباد کی سرزمین پر قدم رکھنے سے قبل جہاز ہی میں اسے دے دیا گیا۔ وہ ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کا نمائندہ تھا' پاکستان کو کیا دے کر گیا۔ مزید معاشی بدحالی! اپنی جیبیں مزید پُر کر لیں اور یہاں سے جاتے جاتے اپنے بھائی کو گریڈ 22 میں ترقی دیا گیا۔ اس کی وسیع تجارتی و معاشی ایمپائر دنیا کے مختلف ملکوں میں پھیلی ہوئی ہے لیکن

پاکستان اس سے محروم ہے۔ یہ تھا ہمارا ایک نگران وزیراعظم ___!

اب اگر کسی کو باہر سے امپورٹ کرنا ہے تو امتِ مسلمہ کے کسی ایسے ہیرو کو کیوں نہ کیا جائے جس نے اپنے ملک کو اقتصادی و معاشی میدان میں عروج تک پہنچادیا ہو۔ عالم اسلام میں ایسے افراد کی کمی نہیں۔ اگر ہم اپنے ملک میں صنعتی و معاشی انقلاب کے متمنی ہیں اور واقعی اس میں مخلص بھی ہیں تو ہمیں اس رخ پر سوچنا چاہئے۔ ضروری نہیں آپ انہیں وزیراعظم ہی بنائیں۔ لیکن معاشی و اقتصادی معاملات اور قوم میں اس کا ڈسپلن پیدا کرنے کے لئے اپنے شعبہ میں مکمل اختیارات کے ساتھ انہیں فری ہینڈ دے دیا جائے۔ ان پر کسی طرف سے کوئی دباؤ نہ ہو۔ پھر دیکھئے کہ چند ہی سال کے اندر معیشت کی حالت سدھرتی ہے کہ نہیں، معاشی انقلاب آتا ہے کہ نہیں اور پاکستان ایشین ٹائیگر بنتا ہے کہ نہیں ___! ان شاء اللہ ایسا ہوگا ___ اب یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم اس سمت قدم بڑھاتے ہیں کہ نہیں۔ ملک میں ایسے مخلص اقتصادی ماہرین کی کمی نہیں جو دل و جان سے اس مبارک کام میں ان کا نہ صرف ہاتھ بٹائیں گے بلکہ دن رات ایک کر کے قوم میں جذبۂ جواں تقسیم کریں گے۔ ہماری قوم میں بڑی صلاحیتیں ہیں مگر کوئی مخلص اور جانِ پرسوز اس سے کام لینے والی ہو تو سہی'' اخلاصِ عمل مانگ نیا بانگِ کہن سے!''

معاشی انقلاب کے ساتھ ساتھ قوم میں اخلاقی، دینی، ثقافتی اور تہذیبی انقلاب کی بھی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بہت کچھ فرماتے اور لکھتے رہے ہیں۔ انفرادی ہی نہیں قوم کی ''اجتماعی توبہ'' کی شدید ضرورت ہے۔ قوم اجتماعی طور پر جب تک توبہ نہیں کرے گی اللہ کی نصرت اس وقت تک نہیں آسکتی۔ اس سلسلہ میں گھر گھر آواز پہنچانے کی ضرورت ہے ___

توبہ ___ اپنے رب کے حضور توبہ ___ بھارت میں ایک صاحب ہوتے تھے آچاریہ ونوبا بھاوے ___ اب آنجہانی ہوگئے ___ انہوں نے بھارت کے طول و عرض میں پھر پھر کر زمینداری اور جاگیرداری کے خلاف زبردست مہم چلائی ___ گاؤں گاؤں، قریہ قریہ، محلہ محلہ، شہر شہر پھرے ___ زمینداروں سے غریبوں کے لئے دان (خیرات) بھی مانگتے تھے کہ وہ اپنی زمینیں غریب کسانوں کو خیرات کردیں۔ یہ ایک بڑی زبردست انفرادی مہم تھی جو برسوں جاری رہی اور اس میں انہیں خاصی کامیابی ہوئی۔ کاش کہ ہمارے ہاں بھی کوئی آچاریہ ونوبا بھاوے ہوتا ___ جو شہر شہر، محلہ محلہ، گلی گلی، قریہ قریہ توبہ کی منادی کراتا۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بقول خود اب ''شامِ زندگی'' سے ''شبِ زندگی'' میں داخل ہوچکے ہیں۔ یہ محنت طلب کام اب وہ نہیں کرسکتے۔ کاش کہ کوئی اٹھے اور یہ صُور پھونکے!

اصلاح الرسوم

شب برات کی حقیقت

نوید احمد

ماہِ شعبان کی پندرہویں شب ''شب براءت'' کے نام سے مشہور ہے۔ ''شب براءت'' فارسی ترکیب ہے نہ کہ عربی۔ عربی میں 'لیلۃ البراءت' اس کے ہم معنی ترکیب ہے لیکن قرآن وحدیث میں شعبان کی پندرہویں شب کے لئے یہ الفاظ استعمال نہیں ہوئے۔

قرآن حکیم میں شبِ براءت کا ذکر نہیں ہے۔ بعض روایات کے مطابق سورہ دخان کی ابتدائی آیات شبِ براءت سے متعلق ہیں لیکن مفسرین کی اکثریت ان روایات کو درست تسلیم نہیں کرتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سورہ دخان کی آیت نمبر 3 میں لیلۃ مبارکۃ کے الفاظ آئے ہیں اور اس رات میں نزولِ قرآن کا ذکر ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ

''بے شک ہم نے اسے (قرآن) کو برکت والی رات میں نازل کیا''۔

سورۃ القدر میں نزولِ قرآن کا اسی پیرائے میں ذکر ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ یعنی بے شک ہم نے اسے قدروالی رات میں نازل فرمایا۔

گویا لیلۃ القدر اور لیلۃ المبارکہ سے مراد ایک ہی رات ہے جس میں نزولِ قرآن ہوا۔ یہ رات رمضان ہی کے مہینہ میں ہوسکتی ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ نزولِ قرآن کا مہینہ رمضان ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرہ: 185)

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔

کئی احادیث مبارکہ میں شعبان کی پندرہویں شب کی فضیلت یا اس رات میں عبادت کا ذکر ہے۔ البتہ اکثر اہلِ علم کی رائے ہے کہ یہ تمام احادیث ضعیف ہیں۔ امام ترمذیؒ، ملا علی قاریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا منظور نعمانیؒ اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی ان اہل علم میں شامل ہیں۔

مفتی تقی عثمانی صاحب کی رائے یہ ہے کہ شعبان کی پندرہویں شب یا پندرہویں شعبان کے روزے کی فضیلت سے متعلق تمام احادیث ضعیف ہیں لیکن ان کی تعداد خاصی زیادہ ہے۔ لہٰذا گمان کیا جاسکتا ہے کہ شاید اس رات کی کوئی اہمیت ہو۔ البتہ ان کے نزدیک ہر سال اس شب میں قبرستان جانا اور اس موقع پر حلوہ جات تیار کرنا خالصتاً بدعت ہے۔ (بحوالہ خطاب ''شب براءت کی حقیقت'' از مفتی تقی عثمانی، شائع کردہ میمن اسلامک پبلی کیشنز، کراچی)

یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ محدثین اگرچہ اس رائے کے حامل ہیں کہ کثرت روایات کی وجہ سے ضعف حدیث کم ہو جاتا ہے، تاہم یہ اصول بھی محدثین ہی نے بیان فرمایا ہے کہ ضعیف احادیث پر عمل میں احتیاط کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ ہماری زیادہ توجہ اُن اعمال کی طرف ہونی چاہئے جو قرآن حکیم اور صحیح احادیث سے ثابت ہوں۔ ہر رات میں قیام اللیل کی فضیلت اور تلقین قرآن کریم میں بھی ملتی ہے۔ صحیح احادیثِ مبارکہ میں بھی اور یہ نبی کریم ﷺ کی مستقل سنت بھی ہے۔ ویسے بھی اللہ تعالیٰ کو وہ عمل زیادہ محبوب ہے جو مسلسل اور مستقل مزاجی سے کیا جائے۔ اسی طرح صحیح احادیث میں بکثرت بعض راتوں کی فضیلت کا ذکر ہے۔ مثلاً ماہ رمضان کی ہر رات خصوصاً آخری عشرہ کی طاق راتیں جن میں ایک شب قدر ہے اور ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کی راتیں۔ لہٰذا اگر مخصوص راتوں میں ہی عبادت کا اہتمام کرنا ہو تو پھر ان راتوں میں کرنا چاہئے۔ ہر رات عبادت کرنے والوں کو بھی ان راتوں میں عبادت کا زیادہ اہتمام کرنا چاہئے۔

نفلی روزوں کے حوالے سے بھی صحیح احادیث میں بعض ایام کے روزوں کی فضیلت ثابت ہے۔ مثلاً یومِ عاشورہ، یوم عرفہ، ذی الحجہ کے ابتدائی ایام اور ماہ شوال کے چھ روزے۔ سنتِ مبارکہ سے بھی ان ایام کے روزوں کا اہتمام ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کے معمولات میں پیر اور جمعرات کے ایام، ایام بیض (قمری ماہ کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ) اور ماہِ شعبان میں بکثرت روزوں کا اہتمام بھی مستند روایات سے ثابت ہے۔ حصولِ اجر وثواب کے لئے ہماری توجہ اُن راتوں کی عبادات اور اُن ایام کے روزوں کی طرف ہونی چاہئے جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔

آبِ زم زم
مکہ مکرمہ کا متبرک پانی

جناب معین الدین احمد نے یہ مضمون قارئین ندائے خلافت کی معلومات کے لئے ارسال کیا ہے۔ جسے انگریزی سے اردو میں ڈھالنے کی سعادت سید افتخار احمد نے حاصل کی۔

جونہی حج کا موسم آتا ہے مجھے آبِ زم زم کے عجائبات یاد آ جاتے ہیں۔ 1971ء میں مصر کے ایک ڈاکٹر نے مغربی پریس کو لکھا کہ آبِ زم زم پینے کے قابل نہیں ہے یعنی مضرِ صحت ہے۔ شاہ فیصل مرحوم اس خبر سے بہت غضبناک ہوئے۔ مصر کے ڈاکٹر کا بیان غلط ثابت کرنے کے لئے انہوں نے اپنی وزارتِ زراعت و آبپاشی کو حکم دیا کہ وہ آبِ زم زم پر خود بھی تحقیق کریں اور اس کے بہت سے نمونے امریکہ و یورپ کی لیبارٹریوں کو بھجوائیں تاکہ وہ خود حقیقت حال سے آگاہی حاصل کریں۔

میں اس وقت جدہ کے Desalination Plant میں بطور کیمیکل انجینئر برائے تطہیر آب (سمندری پانی کو پینے کے قابل بنانے کا شعبہ) کام کر رہا تھا۔ مجھے یہ فرض سونپا گیا کہ میں اس پر خود بھی تحقیق کروں اور یورپی لیبارٹریوں کو اس کے نمونے بھجوانے کا بندوبست بھی کروں۔ میں نے مکہ مکرمہ پہنچ کر خانہ کعبہ (حرم شریف) کے انچارج سے رابطہ کیا اور اپنے آنے کا مقصد بتایا۔ انہوں نے فوراً ہی ایک آدمی میرے ساتھ منسلک کر دیا جو اس کام کو خوش اسلوبی سے نبھانے کے لئے مجھے ہر طرح کی مدد مہیا کرے۔

جب ہم کنویں پر پہنچے تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ 18X14 فٹ کا ایک 5 فٹ گہرا تالاب سا ہے۔ جو صدیوں سے پانی فراہم کر رہا ہے۔ (1971ء میں کنویں کا کنارہ مطاف کی سطح کے برابر تھا۔ مگر اب اوپری کنارہ کافی نیچے کر دیا گیا ہے۔ سیڑھیوں کے ذریعے نیچے اتر کر 100 مربع میٹر مردوں اور عورتوں کے لئے علیحدہ علیحدہ (54 + 46) دو حصوں میں ٹھنڈا پانی 39 ٹونٹیوں (19+20) کے ذریعے پینے کے لئے مہیا کیا گیا ہے۔ کنواں لوہے کے جنگلے میں سے نظر آتا ہے جس کا دروازہ مردوں کی طرف کھلتا ہے۔ صرف سیڑھیاں ننگی ہیں۔ باقی جگہ پر مطاف کے لیول پر چھت ڈال دی گئی ہے۔ حجاج کرام تبرکاً پانی پیتے بھی ہیں، وضو بھی کرتے ہیں اور اپنے کپڑوں اور جسم پر پانی ڈالتے ہیں۔ یعنی کپڑوں سمیت نہاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اس گہرائی سے مستعمل پانی کا نکاس اس طرح ہے کہ تمام پانی عورتوں کی طرف ایک چھوٹے سے حوض میں جمع ہوتا ہے اور وہاں سے باہر شہر کے نکاس کی نالی میں پمپ کر دیا جاتا ہے۔)

میں نے اپنے ساتھی کو نیچے کنویں میں اترنے کے لئے کہا اس نے پہلے اچھی طرح غسل کیا۔ پھر پانی میں اترا۔ پانی کا لیول اس کے کندھوں کے برابر تھا۔ پاؤں تلے ریت تھی۔ میں نے اسے فراہمی آب کے لئے کوئی سوراخ یا پائپ وغیرہ معلوم کرنے کے لئے کہا۔ جو وہ اپنے پاؤں سے ہی محسوس کر سکتا تھا۔ کیونکہ سر پانی میں ڈالنے سے منع کر دیا تھا۔ اس نے تمام کنویں میں چل پھر کر معلوم کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ میں نے سوچا پانی لازماً کہیں سے تو آ رہا ہوگا اس لئے اس کا سوتا تلاش کرنا ضروری ہے۔ دوبارہ میں نے اسے تھوڑی دیر ایک جگہ ٹھہر کر محسوس کرنے کے لئے کہا۔ اچانک وہ چلایا "الحمدللہ مل گیا" اس نے بتایا کہ اس کے پاؤں کے اردگرد ریت ناچ رہی ہے۔ گویا پانی نیچے ریت سے رس رہا ہے۔ اب اس نے تمام کنویں میں یہی تجربہ کیا اور ریت کو ہر جگہ ناچتے محسوس کیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ پانی کنویں کی تہہ سے تیزی سے رس رہا ہے۔ (پانی نکالنے کا پمپ اگر بند کر دیا جائے تو پانی کی آمد ہلکی ہو جاتی ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ قدرت نے پانی کے نکاس کے مطابق پانی کی سپلائی مقرر فرما دی ہے تاکہ کنویں میں پانی کی ایک خاص مقدار موجود ہے۔ جو قریباً 5'6 فٹ گہرائی کی ہے۔ سبحان اللہ یہ بھی ایک دائمی معجزہ ہے۔

میں نے بہت سے نمونے یورپی لیبارٹریوں کے لئے حاصل کئے اور صاحب مجاز سے مکہ مکرمہ کے دوسرے کنوؤں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے بتایا کہ وہ زیادہ تر خشک ہو چکے ہیں۔ میں واپس جدہ پہنچا اور تمام واقعات اپنے انچارج کو بتائے۔ اس نے تمام باتیں دلچسپی سے سنیں اور آخر میں کہا کہ ہو سکتا ہے کہ زم زم کا کنواں بحیرہ احمر کے سمندر سے ملا ہوا ہو۔ لیکن یہ ناممکن نظر آتا ہے کیونکہ کنویں اور سمندر کا فاصلہ 75 کلو میٹر ہے اور درمیانی کنویں بالکل خشک ہو چکے ہیں۔ بہر حال پانی کا تجزیہ جو یورپی لیبارٹریوں میں کیا گیا اور ہماری لیبارٹری کا تجزیہ قریباً ایک جیسا تھا۔ آبِ زم زم اور ہمارے پلانٹ سے سپلائی ہونے والے پانی میں صرف کیلشیم اور میگنیشیم سالٹ کی مقدار میں کچھ فرق ہے۔ جو آبِ زم زم میں زیادہ تھی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آبِ زم زم پینے والے تھکے ماندے حاجی اپنے آپ کو چست و چوبند محسوس کرتے ہیں۔ آبِ زم زم میں فلورائیڈز کی اتنی مقدار بھی پائی جاتی ہے جو جراثیم کش ہے۔ یورپی لیبارٹریوں کے ریمارکس تھے کہ آبِ زم زم پینے کے لئے مفید ہے۔ اس طرح مصری ڈاکٹر کے جھوٹ کا پول کھل گیا۔ مرحوم شاہ فیصل کو جب یہ رپورٹ دی گئی وہ بہت خوش ہوئے اور بالخصوص مغربی پریس کو ہدایت کی کہ وہ اپنے پہلے بیان کی تردید کریں۔

اس طرح یہ اللہ کی رحمت تھی کہ پانی کی ترکیب کی کیمیاوی ریسرچ کی گئی۔ درحقیقت جتنا آپ دریافت کرتے جائیں آپ کو اس پانی کی جزئیات کا علم حیرانگی میں ڈالتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اسمٰعیلؑ کو تحفہ میں دیا اور مسلمان پوری طرح سے اس پانی کے معجزات پر ایمان قائم کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے گھر میں آنے والوں کے لئے بھی ایک تحفہ اور نعمت غیر مترکبہ ہے۔ آبِ زم زم کے چند اوصاف درج ذیل ہیں:

1۔ یہ کنواں کبھی خشک نہیں ہوا۔ بلکہ اس نے ہمیشہ ہر مقدار و تعداد میں ضرورت کو پورا کیا ہے۔

2۔ ہمیشہ اس کی ترکیب ایک ہی رہی ہے اور اس کی جزئیات میں کبھی تبدیلی نہیں ہوئی۔

3۔ اس کی نوشیدگی ہمیشہ عمدہ رہی ہے۔ تمام دنیا کے مسلمان حج وعمرہ کے لئے آتے ہیں۔ اس کو پینے کے لئے استعمال کرتے ہیں اور کبھی بھی کسی نے بھی اس کی کوئی شکایت نہیں کی۔ اس کے برعکس اس کی نوشیدگی سے سب لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں۔ بہت سے پیٹ کی بیماریوں سے صحت یاب ہو گئے ہیں۔ مختلف شہروں کا پانی مختلف ذائقے دیتا ہے۔ مگر آبِ زم زم کے ذائقہ میں کبھی فرق نہیں آیا۔

4۔ تمام علاقوں، شہروں، ملکوں کے پانی کی کیمیاوی ادویات سے (Sterlization) تعقیم کی جاتی ہے۔

5۔ عموماً کنوؤں کے اندر حیاتیاتی اور نباتاتی پیدائش شروع ہو جاتی ہے جو پانی کو بدذائقہ بنا دیتی ہے۔ کائی کی پیدائش

سے ذائقے اور بو میں تبدیلی آ جاتی ہے لیکن آب زم زم میں کسی حیاتیاتی' نباتاتی اور کائی وغیرہ کی پیدائش کا کوئی نشان نہیں ہے۔

صدیاں گزریں جب بی بی حاجرہؓ صفا و مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان پانی کی تلاش میں سرگرداں تھیں تاکہ اپنے معصوم بچے کو پانی پلا سکیں۔ اس دوران اس معصوم بچے (حضرت اسمٰعیلؑ) نے اپنی ایڑیاں ریت پر رگڑیں اور وہاں پانی کا ایک چشمہ جاری ہو گیا۔ جس نے ایک چھوٹے سے تالاب کی شکل اختیار کر لی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا یہ نشان آب زم زم کہلایا۔

مندرجہ ذیل معلومات یحییٰ ھمزہ کوشک کی عربی کتاب "طعام طعم وشفاء سقم" کا اردو ترجمہ آب زم زم (غذا بھی دوا بھی) از رائے خدا بخش کلیار ایڈووکیٹ سے لی گئی ہے۔ (سید افتخار احمد)

یحییٰ ھمزہ کوشک سعودی نژاد انجینئر ہے جس نے "تعقیم از بالائے بنفشی شعاؤں" میں پی ایچ ڈی (Ph.D in Steralization by Ultra Violet Rays) کی ڈگری حاصل کی۔ اس کا کہنا ہے کہ اس کا گھر بابِ صفا کے سامنے واقع تھا۔ جہاں کے روزنوں سے زم زم کا کنواں نظر آتا تھا۔ زم زم کا پانی پینے والوں کا نظارہ میری توجہ کا مرکز بننے لگا اور میں اپنے گھر کے روزنوں سے گھنٹوں حجاج اور اہل مکہ کو زم زم کا پانی پیتے' اس سے وضو کرتے' اسے جسموں پر ڈالتے' اپنے کپڑوں کو بھگوتے اور ان کی زبانوں کو دعا کے لئے مسلسل ملتے ہوئے دیکھتا رہتا۔ لہٰذا زم زم کا یہ منظر میرے دل و دماغ پر نقش ہو کر رہ گیا۔ تعلیم کے دوران مجھے پانی کے آلودگی سے پاک کرنے کا خیال آنے لگا۔ اسی خیال کے تحت میں نے اپنی پی ایچ ڈی کی ڈگری میں تعقیم کے موضوع کو چنا۔ جس کا میں نے خود سعودی حکومت کو مشوروں کے لئے عملی جامہ پہنایا۔ آبِ زم زم کی مشینوں کے ذریعے تعقیم از بالائے بنفشی شعاؤں سے فائدہ اٹھایا۔ آلودگی سے بچنے کے لئے آبِ زم زم کی صفائی اور تعقیم کے بعد گاہے بگاہے پانی کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ جس کی چند رپورٹیں درج ذیل ہیں۔ اسی دوران پانی کے مصادر کا بھی پتہ چلایا گیا۔ جو تین ہیں:

(1) کعبہ مشرفہ کی طرف سے 30X45 سینٹی میٹر کا شگاف جہاں سے پانی بڑی مقدار میں پھوٹتا ہے۔

(2) محلہ جیاد کی طرف سے 30X70 سینٹی میٹر جو اندر سے دو شگافوں میں تقسیم شدہ ہے۔

(3) جبلِ ابی قبیس کی جانب صفا اور مروہ کے درمیان سے چھوٹے چھوٹے شگاف جن سے پانی رستا رہتا ہے۔

چاہ زم زم کی پیداواری قوت کا اندازہ وہاں لگائے گئے پمپوں کے ذریعے 163.5 سے 217.3 گیلن فی منٹ یعنی 1.37 سے 1.4 لیٹر فی سیکنڈ کے درمیان لگایا گیا ہے۔ مشاورتی کمپنیاں جنہیں آب زم زم سے متعلق تحقیقات کی ذمہ داری سونپی گئی تھی مثلاً وائسن' پاکستانی انجینئرز کی یونین اور جرمنی کی ڈبلیو ایف کورز' انہوں نے چاہ زم زم کی پیداواری قوت کا اندازہ بحساب 60 میٹر فی گھنٹہ لگایا۔

ایک حیران کن مشاہدہ: عموماً بارش کے اثر سے کنویں کے پانی کی سطح متاثر ہوتی ہے۔ مکہ مکرمہ میں براہ راست ہونے والی بارش کا آب زم زم کی سطح پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔ لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ 70' 80 کلومیٹر دور طائف کے علاقہ میں موسلا دھار بارش کے اثر سے آب زم زم کا لیول بہت متاثر ہوا (بڑھ گیا)

زمزم کی حیاتیاتی تحلیل

کعبہ مکرمہ کے گرد مطاف کی توسیع اور آب زمزم کی نکاس اور دیگر امور کی ذمہ دار ملکی وزارت مال و اقتصاد تھی چنانچہ اس کی نگرانی میں جرمنی کی کمپنی ڈبلیو ایف کورز نے چاہ زمزم سے نمونہ آب لے کر جرمنی میں تحقیق کی جس کے نتائج درج ذیل ہیں۔

مادہ	مقدار
pH 20C° یا 68F° پر	6.9
توصیل الحرارت (Heat Conduction)	1530U مائیکرواوھم
Steam Sedimentation	621 ملی گرام فی لٹر
بھاری پن	14.8
بھاری پن بوجہ کاربونیٹس	14.8
امونیا	تحقیق ناممکن رہی
میگنیشیم	57 ملی گرام فی لٹر
کیلشیم	91 ملی گرام فی لٹر
کلورائیڈ	220 ملی گرام فی لٹر
لوہا خام	ملی گرام فی لٹر تحقیق ناممکن رہی
سلفر	157 ملی گرام فی لٹر
نائیٹریٹ	4.5 ملی گرام فی لٹر
نائیٹرائیٹ	207 ملی گرام فی لٹر
فاسفیٹ	ملی گرام فی لٹر تحقیق ناممکن رہی
M-Value	5.3 M-Vai/L

مسئلہ وردی کا!

(فوڈ فار تھاٹ)

ایک صاحب کہہ رہے تھے کہ اسلام کی رو سے حکمرانی اور وردی لازم و ملزوم ہیں' بلکہ خلیفہ یا امیر ہی تمام اختیارات کا مالک ہوتا ہے۔ اب رہی اسلام کی بات' اول تو ملکی اور قومی سطح پر یہ کوئی ایشو ہی نہیں اور فرض محال ہو بھی تو فیصلہ عوامی نمائندے یا عدلیہ کرے گی۔ میں' آپ یا کوئی گروہ تو نہیں کر سکتا کہ اسلام فی الواقع موجود بھی ہے یا نہیں اور ہمارے نمائندے یا عدلیہ جو فیصلہ کرے گی اس سے شاید ہی کوئی ناواقف ہو۔

ان حالات میں کوئی صاحب رہنمائی فرمائیں گے کہ اسلام کے حقیقی نظام عدل کو کیسے تعبیر کریں گے؟ اگر یہ کہا جائے کہ حکمرانوں اور عوام کے رہن سہن میں زمین و آسمان کا فرق نہ ہو تو کیا یہ صحیح ہوگا؟ (سردار اعوان)

بانیٔ تنظیم اسلامی کا ماہانہ درس قرآن' نشتر ہال پشاور

بانیٔ تنظیم اسلامی و سرپرست اعلیٰ انجمن خدام القرآن سرحد محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا ماہانہ درس قرآن' جو ہر ماہ کی پہلی اتوار کو نشتر ہال پشاور میں منعقد ہوتا ہے' پشاور کی ثقافت کا حصہ بنتا جا رہا ہے۔ ماہ ستمبر میں یہ پروگرام 3 ستمبر بروز جمعہ منعقد ہوا موضوع تھا: ''نیکی اور تقویٰ کا قرآنی تصور''

بانیٔ تنظیم اسلامی نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 177 کے حوالے سے معاشرے کے مختلف طبقات میں پائی جانے والی نیکی اور تقویٰ کے تصورات کی نشاندہی کی اور آیت زیر بحث کے مضامین کو وضاحت سے بیان کیا کہ کس طرح نیکی اور تقویٰ جو ایک یونٹ اور وحدت کی حیثیت کی حامل ہے اس کو ہم نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور ہر طبقے نے من پسند حصہ کو اپنا کر اسے ہی کل نیکی سمجھ لیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جو عمل بھی اللہ کی رضا اور آخرت کی فلاح کی نیت سے کیا جائے گا وہ نیکی ہے ورنہ فریب اور ریاکاری ہے اور نیکی کا مجسمہ کامل نبی ﷺ کی ذات تھی' یہی وجہ ہے کہ ان کی ذات کو ہمارے لئے اسوہ حسنہ قرار دیا گیا۔

اس پروگرام میں میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے سالانہ زر تعاون کے لئے لوگوں کو ترغیب دی گئی اور کارڈ پر میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کا مختصر تعارف کروایا گیا۔ لوگوں نے کافی دلچسپی کا اظہار کیا اور 15 افراد نے میثاق' 16 نے حکمت قرآن اور 11 نے ندائے خلافت کا سالانہ زر تعاون جمع کروایا۔ (خورشید انجم' ناظم نشر و اشاعت تنظیم اسلامی پشاور)

تنظیم اسلامی میر پور (آزاد کشمیر) کے زیر انتظام جتی کے مقام پر شب بسری پروگرام

28 اگست کو یہ شب بسری میاں فیاض صاحب کے گھر میر پور میں منعقد ہوئی۔ یہاں 17 دسمبر 1998ء سے ماہانہ شب بسریاں منعقد کی جا رہی ہیں اور یہ اس سلسلے کا اکیسواں پروگرام تھا۔ آغاز نماز مغرب کی نماز کے بعد سید محمد آزاد مقامی امیر کی گفتگو سے ہوا۔ انہوں نے فرمایا دین کی اشاعت اور دین کے قائم کرنے کی جدوجہد نماز' روزہ کی طرح ہمارا فرض ہے۔ اسلامی معاشرے کا قیام اکیلے ممکن نہیں۔ اس کے لئے اعوان وانصار چاہئیں۔ یہ نبیوں اور رسولوں والا عظیم کام ہے تاہم اس کا پایۂ تکمیل تک پہنچنا اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں لیکن یہ یکطرفہ معاملہ نہیں بلکہ دوطرفہ ہے' دین پر عمل' دین کی دعوت کا کام کرنے ہی سے اللہ کی مدد و رحمت کی امید کی جاسکتی ہے۔

اس کے بعد سید محمد صاحب نے دولت مندی' صحت مندی اور دلی سکون کے عنوان سے درس حدیث دیا۔ 8:45 پر نماز عشاء ادا ہوئی۔ 9:05 پر کھانا اور کھانے کے آداب مرزا عبدالقیوم صاحب نے بیان کئے۔ 9:35 پر بجے افتخار احمد صاحب نے سورۃ العصر کے حوالے سے انتہائی مؤثر اور دلچسپ گفتگو فرمائی۔ دس بجے راقم نے فرائض دینی کی اہمیت اور ان پر عمل کی برکات کے حوالے سے کچھ عرض کیا۔ ساڑھے دس بجے طاہر مجید نے نعت پیش کی۔ پونے گیارہ بجے ہدایات پر یہ نشست ختم ہوئی۔ صبح ساڑھے تین بجے رفقاء بیدار ہوئے۔ نوافل و تلاوت کا اہتمام ہوا۔ سید محمد آزاد نے ماثور دعائیں سکھائیں اور یاد کرنے کی تلقین کی۔ نماز فجر کے بعد سید محمد صاحب نے درس قرآن دیا۔ ساڑھے چھ بجے ناشتہ ہوا۔ ہدایات دی گئیں' 25 ستمبر 2004ء کو شب بسری کے پروگرام کے فیصلے کے ساتھ دعاؤں پر یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ اس میں 10 رفقاء اور تقریباً 18 احباب شریک تھے۔ اس جگہ جہاں چند گھر ہیں اتنے لوگوں کا جمع ہونا نیک شگون اور پروگرام کی کامیابی کی دلیل ہے۔ 90 فیصد لوگ دور دراز سے آئے تھے۔ اللہ سب کو اجر خاص عطا فرمائے۔ بالخصوص ممتاز الحسن اور پروفیسر عطاء الرحمٰن خصوصی شکریے کے مستحق ہیں' جنہوں نے طعام و قیام کا بندوبست کیا تھا۔

(رپورٹ: غلام سلطان)

کارنر میٹنگز زیر اہتمام تنظیم اسلامی ہارون آباد' حلقہ بہاولنگر

ماہ اگست میں تنظیم اسلامی ہارون آباد کے ہر اسرہ کو ایک پروگرام کرنے کا ٹارگٹ ملا۔ اس سلسلے کا پہلا پروگرام یکم اگست کو بعد نماز عشاء منعقد ہوا۔ جس کی تفصیل شمارہ نمبر 33 میں آچکی ہے۔ جبکہ بقیہ دو میں سے ایک پروگرام اسرہ عثمان غنیؓ کے زیر اہتمام مورخہ 20 اگست بروز جمعہ بمقام گودی میں رفیق اسرہ محمد اکرم شاد کے گھر کے سامنے منعقد ہوا۔ جس میں خواتین کے لئے ان کے گھر میں انتظام تھا۔ نماز عصر کے بعد رفقاء مقررہ جگہ پر پہنچے اور کرسیوں کا انتظام کیا گیا۔ ہینڈ بل کے ذریعے گھر گھر دعوت دی گئی۔ نماز عشاء کے بعد قریبی مسجد میں اعلان بھی کیا گیا۔ نماز سے فارغ ہو کر لوگ وہاں پہنچے اور ساڑھے نو بجے امیر حلقہ جناب محمد منیر احمد صاحب نے خطاب کیا جو کہ ایک گھنٹہ جاری رہا۔ خواتین اور حضرات کی تعداد تقریباً 135 تھی۔

دوسرا پروگرام مکی مسجد کے سامنے ضیاء شہید روڈ کے عقب میں ایک خالی پلاٹ میں' جمعہ 27 اگست کو ہوا۔ پروگرام کے انتظامات اسرہ ابوبکر صدیقؓ کے ذمہ تھے۔ جنہوں نے احسن طریقے سے پروگرام کا انعقاد کیا۔ پروگرام کے ہینڈ بل ایک دن پہلے تقسیم کر دیئے گئے تھے۔ یہاں پر خواتین کا انتظام نہیں تھا۔ حضرات کی تعداد تقریباً 60 تھی۔ ان دونوں پروگراموں میں سورہ بقرہ کے دوسرے رکوع کی روشنی میں امیر حلقہ نے لوگوں کے سامنے عبادت رب کو واضح کیا۔

(رپورٹ: سجاد سرور)

حلقہ سرحد جنوبی کا سہ روزہ دعوتی پروگرام

تنظیم اسلامی حلقہ سرحد کا سہ روزہ پروگرام 27 اگست تا 29 اگست خیر و خوبی کے ساتھ اختتام کو پہنچا۔ اللہ کے فضل و کرم سے میرے دل و دماغ پر اس سہ روزہ کا جو ''مثبت'' اثر ہوا۔ شاید کسی پر ہوا ہو کیونکہ یہ میرا پہلا سہ روزہ تھا۔ اس سہ روزہ کی برکت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ تنظیم اسلامی حقیقی طور پر ایک منفرد جماعت ہے۔ اشرف وصی صاحب نے بہت لگن اور محنت کے ساتھ ہمیں سمجھایا۔ میں بذات خود اس کا بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس نے ہماری اتنی راہنمائی کی۔

محترم چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب ناظم دعوت تنظیم اسلامی نے اپنے تین دیگر ساتھیوں بریگیڈیئر (ر) ڈاکٹر غلام مرتضیٰ صاحب' محترم اشرف وصی صاحب' اور تنویر حسین صاحب کے ہمراہ پشاور کا دعوتی و تربیتی دورہ کیا۔

محترم بٹر صاحب اور بریگیڈیئر (ر) ڈاکٹر غلام مرتضیٰ نے خود کو صرف دعوتی پروگراموں کے لئے وقف کئے رکھا جبکہ محترم اشرف وصی صاحب نے نہ صرف اپنے حصے کے دعوتی پروگرام نبھائے بلکہ اس موقع پر رفقاء کی ذہنی و فکری اور علمی رہنمائی کے لئے ایک سہ روزہ ورکشاپ (تربیت گاہ) کا بھی انعقاد کیا۔

یہ ورکشاپ صبح 9 بجے سے ساڑھے بارہ بجے دن تک جاری رہی۔ آخری روز اس کا دورانیہ مختصر وقفے کے ساتھ پورے 5 گھنٹے پر محیط تھا۔

تین روز پر مشتمل کل 12 گھنٹے کی اس ورکشاپ سے رفقاء نے بھرپور استفادہ کیا۔ محترم وصی صاحب نے بورڈ کے ذریعے مسلمان کی تعریف' ارکانِ اسلام' ایمان کی قرآنی تعریف' عبادت رب' مراسم عبودیت اور عبادت رب میں فرق' جہاد فی سبیل اللہ' مذہب اور دین میں فرق اور مسلم و مومن کے فرق' فرائض دینی کے جامع تصور اور منہج انقلاب نبوی ﷺ کو نہایت شرح و سبط اور بڑے موثر اور خیر خواہی کے جذبے سے ایک خوبصورت ترتیب کے ساتھ سمجھایا۔ ورکشاپ کی خاص بات یہ تھی کہ محترم وصی صاحب پہلے ایک سوال کرتے اور پھر باری باری ہر ساتھی سے اس کا جواب طلب کرتے۔ ہر ساتھی کو جواب دینے کے لئے مناسب وقت دیتے جب ایک سوال کا جواب تمام ساتھیوں کی طرف سے آجاتا تو اس کے بعد وہ خود متعلقہ سوال کے تشنہ پہلوؤں کو اجاگر کرتے اور اس طرح ہر سوال کا جامع جواب واضح ہو کر سامنے آجاتا۔

(رپورٹ: مراد علی)

آیئے! وقت کو قیمتی بنایئے خود سیکھئے اور سکھایئے

گلی گلی کوچہ کوچہ دعوت دین پہنچایئے
خیر الناس من ینفع الناس بن کر اعلائے کلمۃ اللہ میں جت جایئے

سہ روزہ' ہفت روزہ پروگراموں میں وقت دے کر اپنے فکر کے استحکام' حرکی تربیت حاصل کریں' داعی الی اللہ بنیں اور دیگر تنظیمی و انتظامی اُمور میں حصہ لیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کے لئے قبول فرمائے۔ آمین!

منجانب: شعبہ دعوت و تفریغ اوقات' تنظیم اسلامی

eternal as the granite of their monuments. Bush and his company, who are hiding their crimes behind the fig leaf of "conspiracy theories," have no time to think how the Egyptian order suddenly disintegrated into anarchy and utter chaos.

The one thing that we know with certainty about the causes of the collapse is that they were internal. Egypt was not invaded by a "fanatics" and "zealots" of other religion.

Pharaoh was considered the Pope of the Ancient World and Egypt the moral leader of civilized world. The crosier or shepherd's crook in his hands represents Pharaoh's role as shepherd of mankind. The US has also assumed the role of the shepherd of mankind. During the New Kingdom, the pharaohs committed themselves to a policy of foreign involvement and conquests in Nubia, Canaan and Syria. They brought in many prisoners of war, seqer-ankh, who were enslaved, at times branded with the sign ki.

Whatever the source of the spark, it is clear that the explosive materials lay deep in the structure of the society they destroyed. What happened in Egypt was not a mere political upheaval to change the ruler or form of government; it was the ruin of a whole civilization through the collapse of its moral foundations with the main weakness of the inability to say no to what was coming from the top.

The US is violating some basic laws of nature — such as cause and effect, that each action has an opposite reaction and each specie resist to preserve its identity — which the Pharaohs violated in their time. They could have averted the collapse had they underwent a change that they were so afraid of. The same laws apply in the case of the United States.

It seems that at no time in their long existence as a nation did the Egyptians think in terms of cause and effect. They compiled chronologies, but they never wrote history. They kept careful record of the sequence of events, but did not try to explain the context in which they occurred. Read the articles and watch the discourse on the American mainstream media and you would see discussions on the events presenting them as if happening in a vacuum without any context.

To Egyptians the cause of everything laid in the mysterious and perhaps capricious will of the gods, far beyond human understanding. So is happening with the Americans. They don't want to see causes, for example they have made to believe that its only their greatness and freedom that makes their government so despised around the world.

Americans see only what their gods tell them: Muslims hate the US because their ideology tell them so. If CNN says Boeing 757 entered and disappeared in an 18 feet hole, American have to believe it irrespective of the fact that three WTCs collapsed because of heat, but at Pentagon even an open book on a wooden table, right at the point of alleged Plane's collision remained safe.

As long as there is no open discussion in the mainstream media about the facts unearthed and the questions raised by independent researchers, the US is destined for a WTC like implosion not because of attacks by mysterious planes but because of two words — conspiracy theories — that have blinded it to seeing the truth and recognizing its enemies

ان شاء اللہ العزیز رفقائے تنظیم اسلامی کا سالانہ

کُل پاکستان اجتماعِ عام

7 تا 9/ اکتوبر 2004ء (بروز جمعرات' جمعہ' ہفتہ)

فردوسی فارم' سادھوکے میں منعقد ہوگا

☆ اجتماع کا آغاز 7/ اکتوبر (جمعرات) 4 بجے سہ پہر ہوگا اور یہ 9/ اکتوبر (ہفتہ) نماز ظہر تک جاری رہے گا۔

☆ اس اجتماع میں تمام ملتزم ومبتدی رفقاء شریک ہوں گے۔

☆ رفقاء واحباب سے درخواست ہے کہ:

1) اجتماعی طور پر بذریعہ بس سفر کرنے والے رفقاء کو واپسی پر لاہور اور گوجرانوالہ سٹیشن پر پہنچا دیا جائے گا۔

2) سندھ و بلوچستان کے امراء اپنے ان رفقاء کی تعداد الگ تحریر کر دیں جنہیں واپسی سفر بذریعہ ریل کرنا ہوگا اور ان کی سیٹیں لاہور سے بک ہونا ہوں گی۔

(اس اجتماع میں خواتین کی شرکت کا انتظام نہیں ہے)

المعلن: **مرزا ایوب بیگ**' ناظم سالانہ اجتماع

N-866 پونچھ روڈ' سمن آباد' لاہور فون: 7520902-7584627

ای میل: lahore@tanzeem.org

ضرورت برائے ٹیلی فون آپریٹر

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' کو (اپنے 40 لائنوں والے کمپیوٹرائزڈ PABX سسٹم کے لئے) ایک عدد ٹیلی فون آپریٹر کی ضرورت ہے۔ تعلیمی اسناد اور تجربہ کے کاغذات کی کاپی کے ہمراہ درخواستیں درج ذیل پتہ پر ارسال کریں۔

قرآن اکیڈمی' 36۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور' 54700

The mainstream media also has little more than two words, "conspiracy theories," to counter the facts the independent researchers are continuously unearthing and disseminating through internet.
Journalists and analysts in the "mainstream media" who, once committed to a dream, and still claim to stand for freedom and human rights, cannot bear to wake up no matter how strong the reality?
On the part of Muslims, they need to look no further than the example of last week's apologies by a so-called "Muslim" apologizing on behalf of all Muslims for what happened on September 11, as if he has answered the hundreds of unanswered questions and established the guilt.[10]
As we witness the virus of apologist attitude spreading fast among Muslims, conscious minds in the US are trying to understand and expose the very system that relies on terror and bloodletting for global domination.
Resisting rule and rules of the reigning Pharaohs in every dark age has never gone without exceptionally subhuman punishments.
We are facing the horrible face of the exposed tyranny. It was so far hidden with fine banners of human rights and slogans of freedom and democracy. The way these researchers are digging out facts and undertaking mass awareness campaigns, the US will soon experience a system-wide failure.
The US zeal for domination is a product of the same tyrannical system called "our civilization" and "our way of life." The system is based on core prehistoric precepts: violent wars and dehumanizing occupations.
The so-called post-modern religion of tolerance and pluralism is exposed to be nothing more than perfection of Pharaohs' doctrine of tyranny. Many around the world still torture themselves over whether the promoters of war on Iraq and Afghanistan are just a minuscule minority of "neocons."
Muslims in particular nudge along a lagging conviction that the American terrorists who conquer, massacre and subjugate in the name of freedom and democracy constitute some far-out sect that will some day be defeated through elections, ostracized or neutralized by robust Muslim apologies and pleading guilty to uncommitted crimes.
Many slaves suffered on the estates of the pharaohs.
Instead of going behind what is presented by the internationally recognized lairs and their media, the "best" of Muslim minds have resorted to taking refuge in the easiest way possible: cursing Muslims for "embracing terrorism."
Just as Moses was the outlaw in the age of Pharaoh, without paying attention to the over all environment in which "terrorism" and "counter-terrorism" takes root, Muslims have been declared guilty until they prove themselves innocent. Weak Muslims, too, have accepted terrorisms to an "Islamic enterprise."
This is the only recourse for a defeatist mentality that has no ability to penetrate lies and deception, like the American webloggers for example, to understand the reality. Living and thriving minds do research. This is the way to defeat modern day Pharaohs because almost half of the Americans still consider them the flag bearers of freedom and morality.
Images from the age of Pharaoh and subsequent dark ages are hardly different than this.
We see examples of this proper way to defeating the tyrants in the ever increasing number of analysts studying videos,[11] preparing presentations,[12] compiling reports,[13] writing books[14] and analyzing all facts surrounding 9/11 and the subsequent exploitation of the crime for the preconceived objectives.[15]
Conclusion:
Americans are so often assured that they live as a great civilization, which remained under threat from communism and is now under threat from the Muslim radicals who hate their "way of life" and 9/11 was one of the attempts to take away "their freedoms."
All the evidence to the contrary that is unearthed by fellow Americans is politely brushed aside as "conspiracy theories" or it is not even considered worth responding to by the highest ever Commission established to investigate 9/11.Interestingly the 9/11 Commission was quick enough to nail Islamic ideology on the cross of American supremacy, but did not even attempt to answer a single question or comment on the facts unearthed by the independent researchers.
1933 was also the year of Hitler's putsch in Germany. Roosevelt and Hitler were financed by the U.S. Central Bank and Wall St. You can read the whole sordid account in a book entitled Wall Street and Rise of Hitler by Antony S. Sutton.
Egyptian PYRAMID on the back of the dollar bill.
Muslims are not responsible for the 9/11 crime nor are they the enemies. Muslims cannot harm America with their present confused state of mind, even if all Muslim countries collectively declare war on the US. The enemies of the US have no inter-continental ballistic missiles. They do not have nuclear or biological weapons. Their weapons are just two words: conspiracy theories. These words are camouflaging the real enemies of the US and their crimes.
The fig leaf of "conspiracy theory" is stretching too thin with each passing day. The reference and comparison of the US to Egypt in the aforementioned text is for the reason to show that not only the crimes of the US government are matching those of the great Egyptian civilization, but it is also going to meet the same fate just because of an organized effort to ignore unavoidable facts.
Most of us do not recall the greatness of Egypt. For the first time in man's long existence on this planet, there was a nation: and that nation's resources were consciously marshalled and used by government which necessarily planned for the future. Writing and written records appeared suddenly to make possible the bureaucracy that managed the nation. And the intelligent direction of human effort soon required or induced technical accomplishment.
At the end of the Second Dynasty there was nowhere on the surface of the earth a permanent structure: Nothing had ever been built of stone. Within a hundred years Egypt had erected the most enduring structure that man has ever built.[16]
When civilization had come to Egypt, it seemed more eternal than the US of the present age. It was, of course, designed, like the pyramids, for all time. For reasons made clear by Karl A. Wittfogel in his brilliant Oriental Despotism (New Haven, 1957), with an omnipotent central government, a completely managed economy, and with inhabitants reduced to the kind of serfdom that the US establishment in Washington is imposing, step by step, on the American people.
As a total system, Egypt had from the beginning, excluded all thoughts of change. Pharaohs imagined a state in which no further governmental or social change was possible or even conceivable against their will.
So are the "sincere" American "scholars," who present the "end of history" theories, promise the Americans the joys of the established order that can never again change and will be immutable forever in saecula saeculorum -- or, at the least, "'Til the sun grows cold, And the stars are old."
All those are portrayed as enemies of this order who believe in different systems or a different way of life.
Necessarily, therefore, the basic assumption of both the Egyptian and American civilization are that these are social orders as

Vol: 13 Regd. No. LRL -50 No. 37

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Abid Ullah Jan
(e-mail: Abidjan@tanzeem.org)

The Fig leaf that will undo the U.S.

The greatest irony of our time would be the fall of the United States; not because of nuclear and biological weapons against which it has been shielding itself at the cost of trillions of dollars for the last many years, but because of a fig leaf comprised of just two words: conspiracy theories.

In that sense 9/11 was a great day that lead to the schizophrenic use of "conspiracy theories" as a fig leaf to cover crimes of the enemies of the United States.

Tal Afar residents — modern day Hebrew slaves — gather at the

entrance to the town Locals said US-led forces have cut-off electricity and water supply to the town and were also preventing them from leaving town by car.

"Those fleeing are being forced to walk long distances," said a resident.

"The US forces also cut off water supply in near by villages

and districts like al-Ayadhiya, al-Mahalabiya and Abi Marya on Saturday." Where to they want the residents to go? Concentration camps?

9/11 was the beginning of a tragic era because 3,000 innocent people instantly lost their lives to a criminal plot of some un-confirmed criminals and around fifty thousands more have so far lost their lives in Iraq, Afghanistan, Pakistan, Yemen and elsewhere to the subsequent criminal acts of the well-known criminals.

It was nevertheless a great day because the subsequent research has led to reawakening of the modern day serfs.

Despite the continued bloodbath, the day remains great in the sense that the-so-far-secret totalitarian designs of the real culprits — the modern day Pharaohs — began to gradually expose on the public and the fig leaf of "conspiracy theory" is hardly enough to exonerate them for too long.

The last three years have been good enough for the world to understand criminal designs of the world mastering demi-gods in the US on the one hand and realize the fact on the other that when human being live through a dark age, it is not easy for the common people to distinguish between Pharaohs and Moses of that time.

It is now an open secret that technologically we have come a long way from the age of Pharaohs' chariots to the age of Air Force One. The centers of powers have, undoubtedly, moved from the United States of Egypt (1500 BC) to the United States of America (21st century).[1] But human nature and the way it behaves in the darkest times remained unchanged for the last thirty five centuries.

Styles of subjugation, ways of deception and means of oppressing the weak have now become more sophisticated than ever. Most of the oppressed weak, however, are still willing to submit to all the lies, chicanery and deceit from the mighty Washington. But it is not something new. The weak have always been submitting to different tyrannies all along.

While there had been slaves in Egypt since the beginning of its history, their numbers greatly increased during the New Kingdom, when the pharaohs were committed to a policy of foreign involvement and conquests in Nubia, Canaan and Syria brought in many prisoners of war, seqer-ankh, who were enslaved, at times branded with the sign ki.

An amazing number of Americans — 42 per cent — still believe that Saddam was connected to 9/11 and a plethora of Muslims apologists, have accepted responsibility for the 9/11 crime on behalf of all Muslims merely due to their benighted opportunism.[2]

There are however exceptions and every Pharaoh has to face Moses of his time. The Moses of our age are the American researchers who are relentlessly working to uncover the real culprits behind 9/11. They are there in Pharaoh's palace, not outside. In the process they are exposing criminal enterprise of the globalist totalitarians.

The unremitting assiduity of these researchers is commendable. They are, however, lucky to be Americans and non-Muslims; otherwise they would long have been sitting in the US concentration camps with labels of "Al-Qaeda operatives" or "sympathisers."

Their latest products in the form of many books, reports and video documentaries have hit the internet around the third anniversary of 9/11. Their work provides documented evidence which proves the official story of 9/11 as a cover for hiding perpetrators of the heinous crimes against humanity.

Horrors of the "civilized" age.

Despite the hard work of these researchers, hundreds of valid questions[2] still remain unanswered because the government is not interested in finding the answers in the first place.

There is an unexplained government and media's silence over the clear facts, such as: the impossibility of total disappearance of a Boeing 757 in an 18 feet wide hole at the Pentagon;[3] a total absence of the salvaged plane's debris at the Pentagon;[4] witnesses reports about multiple explosions at the WTC towers before collapse;[5] mysterious leveling of the WTC 7 without taking any direct hit of the planes;[6] witnesses description of the planes hitting the WTC as non-commercial planes,[7] having no windows;[8] the flashes of something actually hitting the towers before the planes actually crashed into them and the projectiles shooting off the building after the plane entered the building.[9]

Pharaoh's mummy with his crosier and flail. Pharaoh was considered the Pope of the Ancient World. The crosier or shepherd's crook represents his role as shepherd of mankind!! The US has assumed the role of the shepherd of mankind.

The US government, media and 9/11 Commission's deliberately ignoring hundreds of questions and the undeniable facts is just like Pharaoh's bizarre, even suicidal, behavior in the face of so many visible signs, such as the plagues.

Despite confronting the obvious, Pharaoh refused to change his ways. Such a resolve to stay on the same course remained the hallmark of recent Republican convention in New York.

The way weblogs, research organizations and individuals have unearthed evidence about what really happened on 9/11 and the way it is ignored by the so-called mainstream media reminds one of Pharaoh's attitude.

Even though the magicians had admitted that the plagues came from God, Pharaoh was so committed that he rid himself of the magicians rather than admit his error. He never called upon them again, because he knew that they were "weak" — meaning they saw reality staring them in the face.

So has been the US government's attitude since 9/11. It has been scrambling all along these years to somehow contain the information flow through internet and discredit the so obvious facts by labelling them as "conspiracy theories" rather than mending its ways.